# پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب کی وفاتِ حسرت آیات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ حالت کیف ومستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

بندہ کے استاد، خیبر میڈیکل کالج کے سابق پروفیسر اور ہیڈ آف فارماکالوجی ڈیپارٹمنٹ پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے اور غم کا داغ ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔

خدا جانے مجھے ساقی نے کیا دے کر پلایا ہے
وہ ہم سے جا چکا لیکن نظر آتا ہے محفل میں

اصل شعر میں ''وہ کب کا جا چکا'' ہے لیکن چونکہ ان کی وفات قریب ہوئی اس لئے ہم نے شعر میں تبدیلی کر لی۔

پروفیسر صاحب غالباً ۱۹۶۰ء میں خیبر میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ یونیورسٹی کی ملازمت میں تشریف لا چکے تھے اور یونیورسٹی میں تبلیغ کا کام شروع کر چکے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جب شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ملی تو بیعت کا سلسلہ بھی شروع کر چکے تھے۔ ڈاکٹر انور صاحب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ میں چار مہینے لگانے کی توفیق عطا فرمائی۔ چونکہ یہ شروع کا دور تھا اس لئے تبلیغی تحریک مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں پر مکمل کاربند تھی۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ رہنمائی تھی کہ چار مہینے لگانے والے کسی شیخ سے بیعت ہو کر مکمل تربیتی ترتیب سے گزریں۔ اس سلسلے میں خود بھی بیعت فرماتے تھے اور دیگر مشائخ سے بیعت ہونے کی بھی ترغیب دیتے تھے۔

دیگر مشائخ سے بیعت ہونے کے سلسلے میں حضرت کا یہ خیال ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ مشائخ کی تبلیغ کے کام کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے اوران کی دعائیں تبلیغی تحریک کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ان کے صاحبزادے اور جماعت کے دوسرے امیر حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی بیعت فرماتے تھے۔ان کے دور میں چونکہ تحریک بہت پھیل گئی تھی اس لئے جو حضرات تصوف کی پوری تربیت سے گزرنا چاہیں انھیں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرواتے تھے۔ پروفیسر صاحب کو انہماک کے ساتھ تبلیغ کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی سعادت اللہ نے نصیب فرمائی۔آپؒ کی مجلس کے حاضر باش ہوتے تھے اور پوری فکر سے اپنی اصلاح میں منہمک رہتے تھے۔

بیرون ملک کئی تبلیغی سفر کیئے اور کئی بار حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب ہوئی۔میرا اور پروفیسر صاحب کا ایک سفر چلّے کا افغانستان کا ہوا۔یہ طالبان کے آنے سے پہلے ۱۹۹۲ء میں ہوا جو کہ بہت خطرناک دن تھے۔ پشاور سے عام آدمی کی تشکیل تو کرتے تھے لیکن خواص کی تشکیل بالکل نہیں کرتے تھے کیونکہ حالات خطرناک تھے۔ہم لوگوں کا روس کے خلاف افغانستان کے جہاد میں جانے کا بہت جذبہ رہا لیکن بعض مجبوریوں اور کمزوریوں کی وجہ سے نہ جاسکے،اس لئے یہ تہیہ کیا ہوا تھا کہ حالات کتنے خطرناک کیوں نہ ہوں چلّے کے لئے ضرور جائیں گے۔ ہمارا یہ سفر طورخم سے شروع ہوکر روس کی سرحد دریائے آموتک ہوا۔روسی بمباری سے سڑکوں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے اس لئے گاڑی پہلے، دوسرے گیئر میں ہی بہت کم رفتار سے چل سکتی تھی اور اتنے ہچکولے کھاتی تھی کہ الٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔ اندرون میں تو پیدل ہی سفر کرنا پڑا۔

ایک دن پیدل چلتے چلتے اتنے تھک گئے کہ ہم نے امیر صاحب سے کہا اب جو مسجد بھی سامنے آئی وہاں ڈیرے ڈال دیں گے کیونکہ آگے چلنا مشکل ہورہا ہے۔ایک مسجد سامنے آئی۔ مسجد کیا تھی،ایک بہت بڑا خالی میدان جس کے درمیان میں ایک چھوٹا سا کمرا بنا ہوا تھا۔مقامی لوگوں کے لئے عشاء کی نماز میں آنا مشکل ہوتا تھا۔عشاء کے بعد تو چاروں طرف ہو کا عالم ہوتا تھا۔ایک رات سوا بارہ

بجے میری آنکھ کھلی، میں نے سر اٹھایا تو ایک سخت چیز میرے سر کو لگی۔ دیکھا تو ایک آدمی کلاشنکوف میرے سر پر رکھے کھڑا ہے۔ اس نے سر کو دبا کر یہ اشارہ دیا کہ اٹھنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے ایک آنکھ پر چادر ڈال کر ایک آنکھ سے جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ تین مسلح حملہ آور تھے۔ ایک توت کے درخت کی آڑ لے کر ہم پر کلاشنکوف تانے ہوئے تھا، ایک حملہ آور آگے لیٹے ہوئے چھے آدمیوں کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا جبکہ دوسرا پچھلے چھے آدمیوں کے سامان میں مصروف تھا۔ میرے قلب پر یہ وارد ہوا کہ نہ حرکت کرنی چاہیئے نہ اٹھنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ ساتھیوں کے اٹھ جانے پر ہاتھا پائی ہو جائے جس کے نتیجے میں ان کے فائر کھولنے سے کوئی جانی نقصان ہو جائے۔

میں نے حزب البحر کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد جماعت کے ایک حافظ صاحب نے آواز دی: کون ہے؟ اتنے میں ڈاکٹر انور صاحب کی آواز آئی: ٹارچ لگالو! اس آواز سے ڈاکوؤں پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ کلاشنکوفیں اٹھائے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شاید وہ سمجھے کہ ٹارچ کوئی ایسا میزائل ہے جس سے ہمیں کہیں اڑا نہ دیں۔ ان کو بھاگتے دیکھ کر بندہ کو سخت ہنسی آئی۔ سب ساتھی جاگ گئے اور پوچھنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے؟ میں نے کہا مزے کرو، خوب گہری نیند میں خراٹے بھر رہے تھے، تم پر تو مسلح ڈاکوؤں کا حملہ تھا۔ پوچھنے لگے: کدھر گئے؟ میں نے کہا: وہ بھاگتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کی ٹارچ کی آواز کی ایسی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سخت خطرے میں حفاظت فرمائی۔

پروفیسر صاحب بہت شریف، بہت شائستہ اور نرم خو شخصیت تھے۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ دہلوی، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے اور تبلیغ کے دوسرے امیر نیز شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے دوسرے شیخ، کے بھی صحبت یافتہ تھے۔ ہر کسی کے غم اور تکلیف کو محسوس کرتے تھے اور دل کھول کر جانی و مالی خدمت کرتے تھے۔ تبلیغ والے حضرات کی خدمت کو تو اپنا خاندانی فریضہ سمجھتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے سلسلے کے لوگوں پر تو دل وجان سے قربان ہوتے تھے۔ پشاور یونیورسٹی کی مسجد فردوس کی تعمیر کے سلسلے میں پورے صوبے میں پھر کر چندہ کیا اور اس مسجد کی تعمیر مکمل کی۔

خیبر میڈیکل کالج کا نیا ہاسٹل رازی ہال بنا تو پروفیسر صاحب اس کے پرووسٹ لگائے گئے اور انہیں پچاس بیروں کی بھرتی کا اختیار دیا گیا۔ آپ نے پچاس انتہائی مستحق، غریب اور اہل حضرات بھرتی کیئے۔ ایسی بھرتیوں پر لوگ فی کس ہزاروں روپے لیتے تھے۔ چنانچہ خیبر میڈیکل کالج کے سپرنٹنڈنٹ کے پیٹ میں ان بھرتیوں پر بہت درد شروع ہو گیا۔ اس نے Appointment Letters (تعیناتی کے خطوط) میں رکاوٹ ڈال دی۔ بندہ ان دنوں ڈاکٹروں کی تنظیم کا نائب صدر تھا، اس لئے اس سپرنٹنڈنٹ کو سخت دھمکی دی اور یوں وہ خطوط مستحقین کو دیے گئے۔ جب گومل میڈیکل کالج بنا تو آپ اس کے پہلے پرنسپل لگائے گئے۔ اس کالج کی ساری بھرتیاں للہ فی اللہ ہوئیں۔ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیا گیا۔ آپ کے دور میں کالج کا نظم و نسق مثالی رہا، جسے صوبے کے وزیر اعلیٰ مہتاب احمد عباسی نے بھی ایک بیان کے ذریعے سراہا۔

اپنے ساتھ نیکیوں کے انبار لے کر رخصت ہوئے۔ اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

---

(صفحہ نمبر ۱۵ سے آگے)

کہ آدمی کے لئے بوجھ بن جائے۔ کم کھانا کم سونا تصوف نہیں ہے بلکہ یہ تجربے ہیں۔ خیر میں نے سوچا خشکی ہو گئی ہے کہ آدمی کو اتنے ذکر اذکار کرائے ہیں اور اتنا جگائے رکھا ہے، مناسب آرام کی رہنمائی نہیں کی گئی تو آدمی اب Psychiatric یعنی ذہنی مریض ہے۔ مقام حیرت کیا ہے؟ سائیکاٹرک بیماری ہے۔ پھر میں نے سوچا میرے ذمے تو ہے نہیں۔ جہاں سے بیعت ہے وہ لوگ اس کا بندوبست کریں اور اسے مقامِ حیرت سے نکالیں۔ نکل گیا تو اس کی قسمت ہے نہ نکلا تو تیرتا رہے ساری عمر... یہ تو ایک سمندر ہے جس میں اسے دھکا دے دیا ہے۔ جہاں جا کر زندگی پوری ہو گی تو مقامِ حیرت بھی ختم ہو جائے گا۔ اجر و ثواب تو اس کو ہو گا پر اناڑی کے ہاتھ ضرور چڑھا ہوا تھا کہ اس کی ذہنی صحت کو ضائع کر کے دھکا دے دیا۔ چلو اس کا تو اجر و ثواب ہو گیا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایک چیز سیکھنے آیا تھا۔ باقی اس پر جو مصیبت آ گئی سو حیرت کی بات ہے۔

(جاری ہے)

# ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۸۴)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

## بدنی صحت اور ذہنی صحت:

فرمایا کہ انسان جواللہ تبارک وتعالیٰ کاتعلق حاصل کرتا ہےاس کا ذریعہ یہ بدن ہے۔بدن کی صحت ہوگی تو اس کوقربِ الٰہی کے مدارج طے کرنے بھی آسان ہوں گےاور زیادہ طے کر سکے گا۔لٰہذا اس کوصحت کی ضرورت ہے۔صحت دوطرح کی ہے۔ایک صحت بدنی ایک صحت ذہنی...آدمی کا بدن بھی صحت مند ہواور ذہن بھی صحت مند ہو۔اس لئے بدنی اور ذہنی صحت دونوں کے حاصل کرنے کوشریعت نے ایک ضروری عمل ٹھہرایا ہے۔آدمی ایسی ترتیبوں کواختیار کررہا ہوجواس کی صحت کوخراب کریں تو یہ بھی معصیت اورگناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔اس لئے کہ یہ بدن اور بدن کی صحت ہماری نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔یہ بدن اللہ پاک نے ہمارے حوالے کیا ہےاوراس کے بارے میں ایک ایک بات کی باز پرس ہوگی۔خودکشی کوحرام کیوں قرار دیا گیا؟اس لئے کہ بندے نے اللہ کی دی ہوئی امانت کو ضائع کردیا۔اسی طرح آدمی نے ایسی ترتیب اختیار کی جس سے صحت ضائع ہوگئی یا خراب ہوگئی تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے،ایسے ہی جیسے فرض،واجب کوترک کرنے کا گناہ ہے۔اگر تکلیف تھوڑی ہوتو صغیرہ گناہ ہے۔اسی لئے جب تک نسوار،تمباکو کی معمولی معمولی تکلیفیں بیان کی جارہی تھیں تو یہ مکروہات میں آرہی تھیں،اب جبکہ ڈاکٹر صاحبان نے تحقیقاتی امور سے ثابت کیا کہ نسوار سے منہ کا کینسر ہوتا ہے....اس موضوع پر بندہ کے ایک دوست ڈاکٹر ہمایون شاہ صاحب سابق پرنسپل ایوب میڈیکل کالج کا M.Phil کا Thesis (مقالہ) ہے جس میں انھوں نے خرگوشوں کے منہ میں کچھ عرصہ نسوار ڈال کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے ان خرگوشوں کومنہ کا کینسر ہوا....اورتمباکو سے دل کی بیماریاں اور Heart Attack (دل کا دورہ) اوراس سے موت واقعہ ہوسکتی ہے،تو ان دونوں کوبھی کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہوا ہے۔مصر کا فتویٰ کبیرہ گناہوں کا ہےاورسعودی تو ہیروئن پر سر قلم کرتے ہیں۔

سعودیہ میں شرعی حکومت ہے اور شریعت نافذ ہے۔ انھوں نے ہیروئن کی خرید وفروخت اور سمگل کرنے، لانے لے جانے پر سرِ قلم کا فتویٰ کیا ہوا ہے، اور وہ اس بنا پر کہ جس آدمی کو ہیروئن کی لت پڑ گئی تو تین سال میں مرجاتا ہے۔ جمرود میں جا کر آپ دیکھیں یا پشاور یونیورسٹی کے پاس سپن جماعت کے آس پاس جا کر دیکھیں تو اچھے اچھے خاندانوں کے سمجھدار، ملازمتوں والے اور مالدار لوگ آ کر ختم ہو گئے۔ ہمارے ایک واقف کار ڈاکٹر سید محمد آفریدی نے بتایا کہ ایک دن جمرود میں ایک ہیروئن کا عادی نہایا دھویا اور صاف کپڑے پہن لئے اور کہنے لگا کہ میں تو بال بچے دار آدمی ہوں اور پنڈی میں میرے بچے ہیں اور میرے اچھے آسودہ حالات تھے، مجھے وہ یاد آئے ہیں، میں ان کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو تیار کیا کہ چلا جائے۔ تھوڑی دیر بعد جب نشے کا وقت ہوا تو اس نے نشہ کیا اور سب کو بھول بھال گیا اور پھر اسی جگہ مر گیا۔ تو سعودیوں نے اسی بات کو دلیل بنایا ہوگا کہ چونکہ یہ چیز ایک طرح سے قتل کا ذریعہ بن رہی ہے لہٰذا جو بھی اس کو بیچے گا یا لائے، لے جائے گا اس کو پھانسی ہوگی، اور ہوسکتا ہے کہ اس کی گنجائش بھی ہو کیونکہ یہ آدمی دوسرے انسانوں کی موت کا بندوبست کر رہا ہے۔

جسمانی اور ذہنی صحت درست ہوگی تو کچھ حاصل ہوگا۔ مثلاً آج کل کے طلباء ہیں انٹرنیٹ پر بیٹھے رہتے ہیں، تھوڑے دنوں بعد فحش سائٹوں کو دیکھنے کا شوق ہو جاتا ہے۔ ان کو دیکھتے ہیں اور ہوتی ہے جوانی تو جوش چڑھتا ہے اور بے راہ روی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اعضاء دل و دماغ، گردے اور ہڈیاں آخر کتنا برداشت کریں؟ ایک خاص حد تک اس کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد تو ہڈیوں کا گودا اور جگر، گردے سارے پگھل کر بہہ جاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ پتہ اس لئے نہیں چلتا کہ ابھی Stock (ذخیرہ) کافی ہے۔ لیکن سٹاک نے تو Exhaust (ختم) ہونا ہوتا ہے۔ ایک بجلی کے بلب کی زندگی بالفرض نوے (۹۰) گھنٹے ہے، اب آپ کی مرضی ہے چاہے اسے چوبیس گھنٹے مسلسل چلا کر چار دن میں ختم کر دیں، یا دس گھنٹے روزانہ جلا کر نو دن میں ختم کر دیں، یا پانچ گھنٹے روزانہ چلا کر اٹھارہ دن میں ختم کریں۔ پتہ تو آخر بڑھاپے میں چلتا ہے۔ جیسے ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ گاڑی مسنگ کر رہی ہے، ایکسلیریٹر دبا دبا کر بھی چڑھائی پر چڑھ نہیں رہی کیونکہ اس کی فلاں فلاں جگہیں بوڑھی ہوگئی ہیں، تو

ابھی تو بیس پچیس سال عروج کا اور جوش وخروش کا وقت ہوتا ہے اس لئے آپ لوگوں کو پتہ نہیں چلتا۔ جب تیس سال کو پار کرتے ہو تو ساٹھ سال کو پہنچ جاتے ہو، چالیس سال کو پار کرتے ہو تو دانت گرنا شروع ہوجاتے ہیں۔مرضی آپ کی اپنی ہے!

یہ بہت ضروری بات ہے جو میں آج کہہ رہا ہوں۔جس طرح میں نے شروع میں عرض کیا کہ اللہ کا تعلق بدن سے حاصل ہوتا ہے اور بدن کو دو صحتوں کی ضرورت ہے، صحتِ جسمانی اور صحتِ ذہنی تا کہ جسمانی صحت بھی درست ہو اور ذہنی صحت بھی درست ہو۔ ہمارا سلسلہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے بہت پھیلا ہوا ہے کہ وہ بہت بڑی شخصیت تھے، تو ہمیں ساتھیوں کو سنبھالنا پڑتا ہے...اگر ہمارا ذاتی کمال ہوتا تو دو چار آدمی بھی نہ بیٹھتے، یہ تو پیچھے سے پچاس سالہ محنت تھی ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو آگے چلی ہے....کئی گھروں اور خاندانوں کو اللہ نے اس بات پر بچایا ہے کہ میں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کی سائیکاٹرک یعنی ذہنی بیماری ہے، اگر اس کا علاج کراؤ تو آپ کے حالات درست ہوجائیں گے۔جنھوں نے بھی بات کو مانا ان کو بہت فائدہ ہوا۔

## آدمی غیر محقق کی بات مان کر عمل کرے تو نتیجے میں ھلاکت کا دروازہ کھل جاتا ھے:

فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسی ترتیب سے چلتے ہیں جو بہت آسان ہو اور سب کے لئے ہو۔جس طرح بعد کے بزرگوں کے دو، دو مہینے بغیر کھائے پیے رہنے کے واقعات ہیں جیسا کہ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا تو ہے لیکن حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔قضاءِ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد بعض اوقات وضو بھی نہیں کیا اور اس کے بغیر ہی لیٹنا کیا ہوا ہے، تا کہ ایک عملی ترتیب ہو اور امت کے لئے ساری آسانیاں ہوں، اور کوئی آدمی حرج میں اور تکلیف میں نہ پھنسے اور دین کو اتنا سخت نہ کر دیا جائے کہ لوگوں کے لئے عمل کرنا ہی ممکن نہ ہو۔

مشائخ کے ذمّہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا دین بھی بچائیں اور جو آدمی ان کے ساتھ چل رہا ہے اس کے دنیا وآخرت کے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا دین بھی بچا کر اس کو چلائیں۔ کیونکہ شیطان بعض اوقات ایسے عمل پر آدمی کو ڈال دیتا ہے کہ اس سے بڑے بڑے مہلکات کھڑے ہو جاتے ہیں، مثلاً اس سے کسی مستحب نیکی کے لئے اتنی مشقت کراؤ کہ اس سے اس کو صحت کا ایسا نقصان ہو جائے کہ اس سے اس کے فرائض متاثر ہو جائیں۔ جب اہلیہ کے اور بال بچوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہی نہ رہا تو ظاہر ہے ہلاکت کا دروازہ کھل گیا۔ آدمی تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں نے نیکی کر لی لیکن اس سے اس کے لئے ہلاکت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور شیطان کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ آدمی غیر محقق کی بات مان کر عمل کرے تو نتیجے میں ہلاکت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

## احیاء العلوم حدیث لینے کے لئے نہیں ہے، یہ تو شخصیت بنانے کے لئے ہے:

فرمایا کہ ہمارے مدرسہ امدادالعلوم کا ایک طالبعلم دورۂ حدیث میں تھا، ایک شادی میں اس سے ملاقات ہوئی، لوگوں نے بتایا یہ ہمارے مدرسے میں دورہ کر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ برخوردار کبھی موقع ملا تو احیاء العلوم پڑھ لینا۔ آگے سے آدمی گرم ہو گیا، کہنے لگا ہمیں استاذوں نے کہا ہے کہ ہم تو حدیث ان لوگوں سے بھی نہیں لیتے جن کے بیانوں میں لوگ تڑپتے تھے۔ میں نے کہا برخوردار! حدیث لینے کے لئے تو بخاری ومسلم ہی ہے، حدیث تو ان ہی سے لیا کرتے ہیں، احیاء العلوم حدیث لینے کے لئے نہیں ہے، یہ تو شخصیت بنانے کے لئے ہے کہ جو تُو نے قرآن وحدیث سے حاصل کیا اس سے شخصیت کیسے بنایا کرتے ہیں۔ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ِگل کاری اور گُل کاری کی ہوئی ہے۔ ِگل کاری عمارتیں بنانے کو کہتے ہیں اور گُل کاری بیل بوٹے بنانے کو کہتے ہیں۔ افسوس ہوا کہ یہاں پر حدیث پڑھنے والوں کا کچھ ایسا ذہن بن جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ چلیں ہم دعا کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس دور میں تقریباً سو سال تک احیاء العلوم کا ایسا چرچا ہوا ہے کہ اس کے

باقاعدہ حافظ گزرے ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے مجدد گزرے ہیں۔اس پوری صدی پران کی تعلیمات چھائی ہوئی ہیں۔قرآن پاک کے، بخاری شریف کے اوراحیاء العلوم کے حافظ ہوتے تھے۔اور سوسال تک حرمِ مکی اور حرمِ مدنی میں احیاء العلوم کا درس ہوا ہے۔ایک عالم ان کی مخالفت کرتے تھے اوران کے خلاف بولتے تھے۔خواب میں اس عالم کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتاب پیش کی، حضور ﷺ نے پسند فرمائی اوران عالم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے خواب میں کوڑے لگوائے کہ تُو احیاء العلوم کی کیوں مخالفت کرتا ہے۔ صبح جب یہ اٹھے تو ان کے بدن پر کوڑوں کے نشان تھے۔اس پر مخالفت سے باز آئے اور امام غزالیؒ کے مقام کا پتہ چلا۔

## جب آپ اس ماحول اور سلسلے سے چمٹیں گے توان شاء اللّٰہ جو باطنی صفات ھیں اللّٰہ نصیب فرمائے گا:

فرمایا کہ چارسدہ میں غازوڈھیری ایک جگہ ہے وہاں ایک تبلیغی ساتھی تعلیم کررہا تھا۔اتفاقاً ان کے امام ایک شیخ الحدیث عالم تھے لیکن غیر مقلدیت کی طرف ہوگئے تھے۔کہنے لگے "بند کہ کتاب۔ سہ ضعیف حدیثونہ راوڑی دی پکے" کہ کتاب (فضائل اعمال) بند کرو، کیا ضعیف حدیثیں ہیں اس میں۔اس نے مجھ سے آکر کہا۔میں نے کہا ان سے کہو کہ "ستا نہ غٹ شیخ الحدیث او۔ ھغے لکلے دے"۔ (کہ تم سے بہت بڑے شیخ الحدیث تھے ان کی لکھی ہوئی ہے)۔کہ اگر تُو دس بار پھر زندہ ہو جائے تو اس کے علم کو نہیں پہنچ سکتا۔مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو علمی لحاظ سے بھی بہت بلند پایہ شخصیت تھے۔ان کی "لامع الدراری" اور "اوجز المسالک" جن علماء نے پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ کس پائے کا علم ہے، اور جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے کہ دودُونی چار پڑھا ہے اوراس سے اتنا زیادہ سیکھ لیا کہ غیر مقلد ہوگئے ہو۔

تو بھائی میرے آپ کو چمٹنا پڑے گا اس ماحول اور سلسلے سے، ان شاء اللہ جو باطنی صفات ہیں اللہ نصیب فرمائے گا، جو باطنی گندگیاں ہیں اللہ پاک دھوئے گا، اور آخرت کی لازوال نعمتیں اور دنیا

کے لحاظ سے اتنی ترقی پر جاؤ گے کہ خود حیران ہو گے اپنے آپ پر، اور کہو گے "زان کدو تہ گورہ او دے حالاتو تہ گورہ" کہ اے کدو کریلے اپنے آپ کو دیکھو اور حالات کو دیکھو جو تمہاری طرف آرہے ہیں۔ کئی ذاتی کمال والے پھر رہے ہیں کوئی پوچھتا تک نہیں ہے، ان کا بھاؤ بھی نہیں پوچھا جاتا۔ تو یہ ان بزرگوں کی برکات ہیں، ان کی دعائیں ہیں جو انھوں نے تڑپ تڑپ کر مانگیں، جن کی جوتیوں کی گرد ہمارے سروں پر آئی۔ ہمارے رشتہ دار تھے جب آتے تو حضرت مولانا صاحبؒ کے بارے میں مجھ سے کہا کرتے کہ ڈاکٹر صاحب! بڑی خوش قسمتی ہے کہ ان کے ساتھ ہو گئے ہو۔ کہا کرتے کہ

اولیاء را ہست طاقت از الٰہ

تیرِ گشتہ باز گر دانند زراہ

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ بندوق سے نکلی ہوئی گولی، زبان سے نکلا ہوا لفظ اور کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں ہوتے۔ پہلے بزرگوں نے کہا ہوا ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو اپنے راستے سے واپس کرتے ہیں۔

## تصوف کے معاشرتی پہلو کی ضروری باتیں:

فرمایا کہ ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر صاحب آئے کہ گھر میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور پوری روئیداد سنائی کہ گھر والی رشتہ دار ہے، ماسٹر ڈگری والی ہے، بڑی سمجھدار اور بڑی اچھی عورت ہے، پر لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ میں نے چند بار ڈاکٹر صاحب کو مشاہدے میں رکھا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ کو Mild سا Mania ہے اور اگر آپ فلاں دوائی لیں اور آدھے ملی گرام سے شروع کریں پھر ایک ملی گرام اور انتہائی دو ملی گرام پر آپ Control ہو جائیں گے اور اللہ خیر کرے گا۔ کچھ دن بعد آئے تو انھوں نے کہا کہ آپ نے تو ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں نے کچھ دن دوائی استعمال کی گھر کے حالات بڑے آسودہ ہو گئے خیریت ہو گئی۔ پھر دو تین دن دوائی ترک کی تو چوتھے دن پھر لڑائی کا موڈ بن گیا، بالکل طبیعت تیار ہو گئی لڑائی کے لئے۔

تصوف کا جو یہ معاشرتی پہلو ہے اس کی ضروری باتیں میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ میں حال

طاری کر کے اور رونا دھونا اور نعرۂ تکبیر کرا کے آپ کو نہیں چلانا چاہتا، ورنہ اس کی میری مشق ہے کہ ابھی آپ چھلانگیں لگائیں اور ھُوحق شروع کر دیں لیکن بات یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کے بارے میں رہنمائی ہونی چاہیے۔ ایک پروفیسر صاحب تھے ان کی شادی میں نے ہی ایک دوست ڈاکٹر صاحب کی بہن سے کرائی۔ شادی کے کچھ دن گزرے تو میں نے کہا کہ اللہ کے بندے آپ مالدار لوگ ہو اپنے مکان ہیں تو آپ علیحدہ ہو جائیں، گھرانے کی خدمت ضرور کریں۔ والد صاحب کی تو وفات ہو چکی، والدہ صاحبہ کی خدمت ضرور کریں پر علیحدہ ہو جائیں تو آپ کے حالات بن جائیں گے، انھوں نے نہیں مانا۔ سلسلے میں یہاں تک ترقی ہو چکی تھی کہ میں خلافت دینا چاہتا تھا کہ مجھے اشارہ ہوا کہ کچھ توقف کرلو۔ توقف کیا، جب گھر علیحدہ کرنے کی بات سامنے آئی تو بات نہ مان سکے۔ ہم نے مریدوں سے کوئی شکرانہ تو جمع کرنا نہیں ہوتا، آپ لوگوں نے حال بتانا ہوتا ہے اور ہم نے تربیت کی بات آپ کو بتانی ہوتی ہے، اس پر آپ عمل کریں آپ کی زندگی بن جاتی ہے۔ ہمارا بس یہی شکرانہ ہوتا ہے کہ ہمارے کہے پر عمل کیا جائے۔ اگر آدمی عمل ہی نہ کرے تو پھر کیا حاصل ہوا۔ خیر انھوں نے اس بات پر عمل نہیں کیا۔ کچھ دنوں کے بعد گھر میں ایک آدمی ذہنی مریض ہوا دوسرا آدمی ذہنی مریض ہوا۔ آخر انھوں نے ساری مصیبتیں اٹھانے کے بعد علیحدگی اختیار کی لیکن اس کے باوجود پھر حالات نہیں بن سکے۔ ایک دن اس نے آکر کہا کہ گھر کے حالات بہت خراب ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ آپ کے برادرِ نسبتی بھی ہمارے دوست ہیں گویا ایک خاندان کے لوگ ہو تو اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو میں آپ کے گھر جاؤں گا اور گھر والی سے ملاقات کروں گا، ڈاکٹر صاحب بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم ان کے گھر پر گئے، وہ اچھی خاصی پردہ دار عورت تھی، جوں ہم اندر گئے تو اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "پخیر ڈاکٹر صیب"۔ (ڈاکٹر صاحب! خوش آمدید) میں نے پوچھا: "سنگه ای بچیه؟ خه ای۔" (کیسی ہو بیٹی؟ ٹھیک ہو!) خیر ہم نے ایک ایک پیالی چائے پی اور اٹھ کر آ گئے، چلتے ہوئے میں نے کہا: پروفیسر صاحب! آپ کی گھر والی اب سائیکاٹرک مریضہ ہے، اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے۔ جونہی میں نے یہ بات کہی پروفیسر

صاحب بھی خفا ہو گئے اور لڑکی کے ڈاکٹر بھائی صاحب بھی خفا ہو گئے۔ مجھے تو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے لیکن خفا ضرور ہو گئے۔ میں تو اپنی بات کہہ کر آ گیا کیونکہ ہمارے پاس پولیس طاقت تو ہوتی نہیں کہ آدمی کو گرفتار کر کے جبری عمل کرایا جائے۔ ہم نے تو اِک بات بتانی ہے اور اس پر عمل آپ نے کرنا ہے۔ کچھ دنوں بعد ان کا پیغام آیا کہ مریضہ کو جیل والے مینٹل ہسپتال داخل کرنا پڑا کیونکہ جو مریض کنٹرول نہیں ہوتا اس کو جیل خانے میں یعنی Behind the bars (بند کوٹھڑی میں) ڈال کر وہاں اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا شکر ہے اللہ کا ابھی آپ نے عمل کیا، جبری ہی سہی پر کر تو لیا۔ اس عورت نے ان سے جبری عمل کروایا، کچھ دنوں کے بعد واپس آئی۔ بہر حال اس فیصلے کے ساتھ کہ چار بچوں کی ماں کو طلاق ہوئی اور گھر اجڑا اور خود پروفیسر صاحب شوگر کا اور دل کا مریض ہوا۔ These are all those things that you have earned yourself. لے میرے بھائی! یہ وہ ساری چیزیں ہیں جو آپ نے خود کمائیں۔

## بچوں کی تربیت کا اہم پہلو:

فرمایا کہ ہم چھوٹے تھے تو ہمارا برفانی علاقہ تھا سخت سردی ہوتی تھی۔ رات کو سب لوگ آگ کے پاس بیٹھے ہوتے تھے۔ دادا، دادی صاحبہ کے ذمّے کہانی سنانا ہوتا تھا۔ ریڈیو ان دنوں نیا نیا آیا تھا۔ لیکن ہمارے دور دراز کے دیہات میں وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ مسجد میں اعلان ہوا تھا کہ "چا کور کے ریڈیو وی اغی سور کافران دی"۔ (کہ جس کے گھر میں ریڈیو ہو وہ کافر ہیں) تو ریڈیو کوئی لا ہی نہیں سکتا تھا اور باقی چیزیں تو تھیں ہی نہیں۔ لہٰذا اس مجلس میں کہانیاں ہوتی تھیں۔ دادی صاحبہ نے ایک کہانی شروع کی کہ جس طرح ہم بیٹھے ہیں اس طرح سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ بَلا آ گئی۔ اس کے لمبے لمبے بال تھے اور بڑے بڑے دانت، جب بَلا آ گئی تو سب ڈر گئے لیکن دادا جان نے کہا کہ کوئی فکر کی بات نہیں، اس کا ہم ابھی بندوبست کرتے ہیں۔ دادا جان کو پتا تھا کہ "بلا پیخے کئی" یعنی بلا نقل اتارتی ہے۔ تو انہوں نے جلتی آگ میں سے لکڑی اٹھائی جس کی ایک طرف جل رہی تھی۔ تو جو طرف نہیں جل رہی اس سے اپنی پیٹھ کی خارش کی اور لکڑی واپس رکھ دی۔ بَلا نے بھی اس کی نقل اتاری

پر جب اس نے لکڑی اٹھائی تو اسے یہ سمجھ نہیں آئی کہ اس کی جلنے والی طرف کون سی ہے۔ اس نے جو جلنے والی طرف سے اپنی پیٹھ کی خارش کی تو بلا کو آگ لگ گئی۔ ہم بچے بڑے خوش کہ اچھا ہوا بلا کو آگ لگ گئی اور بھاگ کھڑی ہوئی، جب وہ دوڑ رہی تھی تو جوں ہوا لگ رہی تھی آگ اور تیز ہو رہی تھی۔ راستے میں کسی نے اس سے کہا: "دا چا؟" یعنی یہ کس نے کیا؟ اس نے جواب دیا: "ما پخپله" یعنی میں نے خود۔ نو ھغے وے "گِله مه کوه په بله"۔ تو اس کو جواب ملا کہ پھر گلہ نہ کر دوسروں سے۔ تو یہ وہ Wisdom ہوتی تھی جو چولہے کے پاس بیٹھ کر، حجرے میں بیٹھ کر اور مسجد میں بڑے بوڑھے اپنی نئی نسل کو دیتے تھے... اس سے تُو محروم ہے۔ تُو نے اپنے بچوں کو تربیت کے لئے ڈبے (ٹیلی ویژن) کے حوالے کیا ہوا ہے اور وہ ڈبے میں انڈیا کی تہذیب کو دیکھ رہا ہے۔ وہی تہذیب اس کی تربیت کر رہی ہے۔

## ایک زبردست عابد، ذاکر و شاغل تبلیغی کا واقعہ:

ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے ہمیں ایک واقعہ سنایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنی زندگی کے پچاس سال دین کا کام کیا ہے اس میں پچیس سال بہت جم کر تبلیغ کا کام کیا ہے اور باقی پچیس سالوں میں تحریکِ پاکستان کا کام ہے اور ان کے باقی علمی اور سلسلۂ بیعت کے مشاغل وغیرہ ہیں۔ انہوں نے سنایا کہ کوئٹہ کے تبلیغی مرکز میں ایک آدمی تھے جو مرکز میں مقیم تھے۔ پہلے زمانے میں زیادہ لوگ مقیم نہیں ہوتے تھے جس طرح اب مقیم ہوتے ہیں بلکہ مرکز کی حفاظت، چوکیدارے اور سنبھالنے کیلئے کوئی ایک دو آدمی رکھتے تھے۔ تو وہاں ایک آدمی تھے جو مرکز کے سنبھالنے والے، دن رات رہنے والے تھے۔ عموماً یہ لوگ بڑے زبردست عابد، ذاکر و شاغل اور دعا والے لوگ ہوتے تھے۔ ان کوئٹہ والے مقیم کی خصوصیات میں سے ایک تو صائم الدھر ہونا یعنی سارا سال روزہ رکھنا سوائے پانچ ایامِ تشریق کے (یعنی سوائے ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے، باقی سارا سال روزہ رکھتے تھے) اور دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی آدمی سے بات نہیں کرتے تھے، کوئی بہت ضروری بات کرنی پیش آتی تھی تو وہ قرآنِ پاک کی آیت میں بات کرتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے پوچھا: ''آپ کا کیا نام ہے؟'' اس نے جواب میں آیت پڑھی: فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ اور وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا

رَسُوْلٌ حضرت نے فرمایا: ''شیر محمد؟'' اس نے جواب میں کہا: ''بلیٰ''۔ پھر پوچھا کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہا: بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ اور قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا۔ جس کا معنیٰ بنا کہ اچھی بستی ہے پر گرمی اس کی سخت ہے، حضرت نے فرمایا: ملتان؟ تو اس نے کہا: ''بلیٰ''۔ پھر پوچھا: ''کس سے بیعت ہو؟'' اس نے ایک آیت پڑھی جس میں ''عبد'' کا لفظ آتا تھا اور دوسری آیت پڑھی جس میں ''قادر'' کا لفظ آتا تھا۔ حضرت نے فرمایا: عبدالقادر رائے پوریؒ؟ اس نے کہا: ''بلیٰ''۔ اس پر حضرت نے پوچھا: آپ نے یہ پابندی اپنے اوپر کیوں لگائی ہوئی ہے؟ تو اس نے کہا: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. یہ ہمارے نوجوانان جو کافی سارے آئے ہوئے ہیں انہوں نے رقیب کا معنیٰ سمجھا ہوا ہے کہ جس سے ہم کو محبت ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا اس سے محبت کرنے لگ جائے تو اس کو رقیب کہتے ہیں۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان اور نگہداشت کرنے والے کے ہیں جو مسلسل کسی چیز کو ایسے دیکھ رہا ہو کہ گویا اس سے توجہ ہٹ ہی نہ رہی ہو۔ تو اس شخص کا جواب یہ تھا کہ کوئی لفظ آدمی زبان سے نکالتا نہیں ہے کہ اس کا زبردست نگران ہے جو اس کی سخت نگرانی کر رہا ہے۔ تو ہر لفظ جو زبان سے نکلتا ہے اس کی سخت نگرانی ہو رہی ہے۔

## یہ دینی مجالس اور دینی لوگ سنگِ پارس ہوتے ہیں: جو بھی قریب لگا وہ سونا بن گیا:

فرمایا کہ سنگِ پارس ایک پتھر ہے، وہ لوہے یا تانبے کو چھو جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ کسوٹی دوسرا پتھر ہے، اس پر سونے کو رگڑیں تو پتا چلتا ہے کہ اس میں کتنا سونا ہے کتنا تانبا ہے۔ ہمارے بڑے حضرت جناب مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ پشاور تشریف لائے، حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا یہ آدمی سنگِ پارس ہے۔ جو بھی اس سے لگ جائے گا سونا بن جائے گا، کندن بن جائے گا۔ واقعی جو بھی نزدیک ہوا جو بھی قریب لگا دنیا و آخرت کی برکتیں لے کر وہاں سے نکلا۔ یہ دینی مجالس اور دینی لوگ سنگِ پارس ہوتے ہیں جو بھی قریب لگا بس سونا ہو گیا۔ جب دینی مجلس کی کارگزاری سنانے کے

لئے فرشتے دربارِ الٰہی میں پہنچتے ہیں تو ساری کارگزاری سنانے کے بعد جب بشارت ملتی ہے کہ ان کی مغفرت کردی گئی تو اس پر فرشتے کہتے ہیں: یا اللہ! ایک آدمی ان میں ایسا تھا جو مجلس کی نیت سے نہیں آیا ہوا تھا بلکہ ایسے ہی اپنے کام کے لئے آیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: اس کی بھی مغفرت ہوگئی کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آنے والوں میں قبول تو کوئی ہی ہوگا لیکن لا یشقیٰ جلیسھم کے ضمن میں ہم سارے آجاتے ہیں، سب قبول ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ حج میں واقعہ لکھا ہے کہ ابنِ مؤفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حج میں تھا، خواب دیکھا... دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ آدمیوں نے۔ پوچھا: کتنوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے کہا: چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ ابنِ مؤفق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں خواب سے اٹھا تو بہت زیادہ غمگین اور اداس تھا کہ یا اللہ! چھ لاکھ آدمی آئے اتنا خرچہ کیا، تکلیفیں اٹھائیں، مشقتیں جھیلیں اور حال یہ ہے کہ صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا..! اسی پریشانی میں حج کے باقی اعمال پورے کر رہا تھا کہ میں نے پھر انہی دو فرشتوں کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ کی برکت سے سب کا حج قبول کرلیا۔ یعنی ایک ایک کے بدلے ایک ایک لاکھ کا حج قبول کرلیا۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔

## مقامِ حیرت کیا ھے؟

فرمایا کہ میں ایک خانقاہ میں گیا وہاں حضرت صاحب کے ایک مرید آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آکر بیٹھتے ہی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کیں تو ان کے خلیفہ نے کہا کہ یہ مقامِ حیرت میں گئے ہوئے ہیں۔ ہم نے پوچھا وہ کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے بعض ذاکرین کا ذکر اذکار کے دوران یہ حال ہو جاتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ آدمی کو ذکر اذکار کثرت سے کرائے ہیں اور آرام نہیں کیا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک کثرت سے ذکر اذکار کرانا اور بیدار رکھنا تصوف ہے حالانکہ یہ تصوف نہیں ہے۔ حضرت تھانوی صاحبؒ نے یہ بحث لکھی ہے، دراصل یہ بزرگوں نے تجربہ سے لکھا ہوا ہے کہ کم کھانا اچھی بات ہے۔ یہ ایک طبی تجربہ ہے۔ البتہ کھانا حد سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی (باقی صفحہ نمبر ۴۲ پر)

# سیرت و سوانح امام الاولیاء شیخ التفسیر

# حضرت لاھوری رحمۃ اللّٰہ علیہ

(مؤلف حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ العالی)

(نوٹ: ۲۸ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ بمطابق ۲۵ فروری ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ بندہ کی حاضری حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کے مرکز القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ میں ہوئی۔ حاضری کا مقصد حضرت کی زیارت کے علاوہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف 'سلوکِ سلیمانی' کی تین جلدیں پہنچانا تھا۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی یہ تصنیف سلاسلِ تصوف کے علوم ومعارف کا ایک خزینہ اور گنجینہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب کا ایک لازوال شاہکار ہے۔ کتاب کی زبان ایسی ہے کہ خواص اہلِ علم ہی اس سے اکتسابِ فیض کر سکتے ہیں۔ چھپنے کے بعد حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی وفات ہوگئی اس لئے کتاب کے بکنے کی نوبت ہی نہیں آسکی، اس لئے مشورہ یہ ہوا کہ یہ ان کے ایصالِ ثواب کے لئے اہل حضرات تک پہنچادی جائے۔ خیال تھا کہ جلدی سے کتاب حوالے کر کے دعا لے کر واپسی کرلیں گے۔ حضرت موجود نہیں تھے، دارالعلوم حقانیہ تشریف لے گئے تھے۔ برخوردار صاحبزادہ قاسم صاحب نے چائے سے تواضع کی پھر طلبا و اساتذہ کے سامنے بیان کروایا۔ ہمارے رخصت ہونے سے پہلے حقانی صاحب تشریف لے آئے۔ اپنی نااہلی، ان کی قدردانی اور رخصت ہوتے ہوئے کتابوں اور گراں قدر نقد ہدایہ سے زیرِ بار کر کے رخصت کرنے کا منظر قابل دید تھا۔

یااللہ! ایسی شخصیات کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھ۔

کتابوں میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت وسوانح بھی تھی۔ بندہ کے والد صاحب حضرت لاہوریؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ ہمارے بچپن میں ان کے حالات ہمیں سناتے رہتے تھے اس لئے بچپن سے ہی حضرت لاہوریؒ کے ساتھ دلی وابستگی تھی۔ کتاب جب ہاتھ آئی اور کھولی تو

اس نے تو محو کر دیا۔ مسلسل پڑھتا رہا، آنکھیں بھیگتی رہیں اور حضرت لاہوریؒ کے تصور میں کتاب کو چومتا رہا۔ ارادہ ہوا کہ کتاب کے کچھ اقتباسات رسالہ غزالی کی زینت بناتے رہیں گے۔ ذیل میں حضرت کی تفسیر پر دو تبصرے کتاب سے لے کر شائع کئے جا رہے ہیں۔ پہلا تبصرہ کرنل سید احمد علی شاہ صاحب کا ہے جو تفسیر میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ایک دور میں آزاد کشمیر کے صدر رہے۔ ریٹائرڈ فوجی، اس کے بعد صدر، گویا انتہائی مصروف دنیادار آدمی جبکہ ان کا تبصرہ قرآن کے گہرے فہم کی عکاسی کر رہا ہے۔ یہ حضرت لاہوریؒ کی کرامت نہیں ہے تو اور کیا ہے!

دوسرا تبصرہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد، مرید اور خلیفہ جناب حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اہلِ علم کے لئے لطف اٹھانے کی چیز ہے۔ (ڈاکٹر فدا محمد)

## تقریظ بر ترجمۂ قرآن و تفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

### از کرنل سید علی احمد شاہ صاحب

### صدر حکومتِ آزاد، جموں و کشمیر

حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا

قرآن کریم زمین و آسمان کے بادشاہ خدائے قدوس اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ لاریب کلام پاک ہے جو بذریعہ روح الامین حضرت جرائیل رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

**مقصد:**

انسانوں میں اختلاف اور تفرقہ مٹا کر اتحاد و اتفاق پیدا کرنا قرآن حکیم کا مقصد ہے۔ خوفِ خدا پیدا کر کے صراط مستقیم پر چلانا اور ظلمت سے نور میں لانا قرآن حکیم کا کام ہے۔

**اوصاف قرآن مجید:**

قرآن حکیم ایک سیدھی راہ ہے۔ برہان، فرقان، واضح حق، ذکر و فکر، حکمت، بصارت و

بشارت، حکم، امر، فیصلہ اوراحسن حدیث، مفصل ہدایت، رحمت، شہادت، نور اور شفا اس میں ہے۔ تبدیل نہ ہونے والا آئین ہے۔ گزشتہ قوموں کے حالات ہیں۔ موجودہ اور آئندہ زمانے کے لئے قیامت تک کے احوال ہیں۔

بدقسمت ہے وہ انسان جو اس سے روگردانی کرے۔ افسوس ہے اس پر جو دین ودنیا اور عقبیٰ کے فوائد اس سے حاصل نہ کرے۔ اندھی ہے وہ آنکھ جو اس سے منور نہ ہو، بہرے ہیں وہ کان جو اسے نہ سنیں، گونگی ہے وہ زبان جو اسے نہ سنائے، بدنیت ہے وہ دل جو اس کی طرف توجہ نہ کرے، جھوٹا ہے وہ انسان جو اسے کھیل تماشا اور ٹھٹھا سمجھے، بے فائدہ ہیں وہ ہاتھ پاؤں جو اس ہدایت پر عمل نہ کریں، بے سود ہے وہ علم جس کی بنیاد اس پر نہ ہو، ظالم، فاسق اور کافر ہے وہ شخص جو اس کے مطابق حکم نہ کرے۔ اس لاریب کتاب کا آئین زمین وآسمان ہر طبقے پر قابل عمل ہے۔ اس کے قوانین لازوال ہیں۔ اسے عہدُ اللہ، امر اللہ، حدود اللہ، کلمات اللہ، اکثر ہدایت اللہ اور سنت اللہ کہا گیا ہے۔

ہر مومن مرد اور عورت کے لئے اس کا پہلے علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کو مولانا احمد علی صاحبؒ امیر انجمن خدام الدین وصدر جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا ممنون ہونا چاہیے جنھوں نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو سلیس اور بامحاورہ ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں اس کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے حنفی، اہلحدیث اور شیعہ علماء نے اس ترجمہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ واقعی یہ بلند پایہ ترجمہ ہے۔

چونکہ حکومتِ پاکستان اور جملہ مسلمانان پاکستان نے متفقہ فیصلہ اور عہد کیا ہے کہ آئندہ آئین اور تمام قوانین کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوگی اور ہر مسلمان کی زندگی اس کے مطابق ہوگی اس لئے قرآن حکیم کا جاننا اور سمجھنا ضروری اور لابدی ہے۔

پاکستان کے صوبوں اور ریاستوں کے وزرا سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قرآن حکیم کے اس اردو ترجمہ کو اپنے مدارس کے نظام تعلیم میں مکمل طور پر شامل کریں۔ اس ایک ہی ترجمہ کے رائج ہونے سے پاکستان کے مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد کی لہر دوڑ جائے گی اور تفرقہ مٹ جائے گا جس سے پاکستان

کی بنیاد نہایت مستحکم ہوگی۔

مدارس کے علاوہ مساجد اور سرکاری اور غیر سرکاری کتب خانوں اور اداروں میں اس متفقہ اردو ترجمے کا رائج کرنا اشد ضروری ہے۔ بارگاہِ رب العزت میں میری دعا ہے کہ ہر مسلمان کو قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی خداوند توفیق عطا فرمائے۔ آمین بلکہ ہر انسان کو اس کی طرف رغبت اور توجہ کرنے کی توفیق دے۔

احقر العباد (کرنل) سید علی احمد شاہ صدر حکومت آزاد، جموں وکشمیر (۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ)

## تبصرہ بر ترجمہ قرآن وتفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

## از امام الزاہدین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

### تفسیری خصوصیات:

دورِ حاضر کے امام الاولیاء شیخ التفسیر مولانا احمد علی قدس سرہٗ کی تفسیر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے قرآنِ عزیز کے ارشادات کو منضبط کرنے کے لئے جو طریق افہام وتفہیم کا اختیار فرمایا وہ جامع ہونے کے علاوہ مختصر سے مختصر ہے۔ جناب خود ارشاد فرماتے ہیں:

”راقم الحروف نے مضامینِ کلام پاک کو بطریق ذیل مرتب کیا ہے:

(الف) ہر سورت کا عنوان (ب) ہر رکوع کا خلاصہ (ج) اس خلاصہ کا ماخذ کہ یہ مضمون کس آیت سے برآمد ہوتا ہے، ہر سورت کی تمام آیات کا ربط، مناسب موقعوں پر واقعات جزئیہ سے قواعد کلیہ کا استنباط، تاکہ قرآن کی تعلیم اپنے مورد پر ہی بند نہ رہے بلکہ عام حالات پر اس کا اطلاق کرنے کا طریق لوگوں کے ذہن نشین ہو۔ (مقدمہ ترجمۃ القرآن)

شیخ التفسیر کی تفسیری خصوصیات میں جو خصوصیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ یہی ہے کی قرآنی تعلیمات اور تفسیر کو ارشادات قرآنیہ کے ظاہری معانی اور مراد پر مرتب فرما کر ان سے بطور تاویل کے ان مسائل کا استنباط کیا جائے جن کا تعلق جہانبانی اور حکمرانی سے ہے اختصاؤر کے پیش نظر صرف

ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۲۹ میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

ترجمہ: اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص کرو سو تم بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری لٹکی ہوئی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کی تفسیر حضرت شیخ التفسیر نے یہ فرمائی:

''خلاصہ مضمون متعدد بیویوں کی حالت میں یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ سب کے ساتھ یکساں دلی محبت ہوتا ہم یہ ضروری ہے کہ کوئی مرد صرف ایک ہی بیوی کی طرف جھک جائے بلکہ حتی الوسع سب کے ساتھ اچھا نباہ کرے اور ظاہری برتاؤ میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دے۔''

کلمات قرآنی کے اس ترجمہ اور خلاصہ مضمون اس آیت سے نظام مملکت اسلامیہ میں سربراہ مملکت کے فرائض کا استنباط تاویل کے عنوان سے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اس طرح مسلم راعی کے ماتحت جب مختلف قومیں دارالسلام میں آباد ہوں تو راعی اگرچہ طبعاً مسلمانوں سے بہت زیادہ مانوس ہوگا کہ دوسری قوموں کو بھی قانون سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع دے تاکہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ان پر ظلم و تشدد ہو رہا ہے۔

اس استنباط میں حضرتؒ نے خاوند کو حکمران کا مقام دے کر حکمران کے فرائض متعین فرما دیئے جیسا کہ سید دو عالم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں حکمران اور خاوند کو یکجا بیان فرما کر ان کے فرائض ارشاد فرمائے ہیں۔

اسی استنباط میں ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کے ناممکن ہونے کو گناہ اور جرم قرار نہیں دیا بلکہ اس کو طبعی امر قرار دیا جس پر مواخذہ نہیں جیسا کی ایک بیوی حسین و جمیل ہو اور دوسری اس کے مقابلے میں نہ ہو تو طبعاً دونوں کے ساتھ تعلقات میں فرق پیدا ہوگا اسی طرح مسلمان

حکمران کو مسلمان رعیت کے ساتھ طبعاً تعلق اور لگاؤ ہوگا کہ راعی اور رعایا دونوں ایک دین کے رشتہ میں منسلک ہیں مگر غیر مسلم رعیت کے ساتھ طبعاً وہ لگاؤ نہ ہوگا مگر ظاہری طور پر ان کے احکام اور قوانین میں (جن کا تعلق کسی غیر مسلم کے مملکت اسلامیہ کا شہری ہونے کے ساتھ ہے) مساوات اور یکسانیت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔

دوسری خصوصیت:

تفسیر شیخ التفسیر قدس سرہٗ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے آیات قرآنی سے ایک مسلمان کی زندگی کے تین ادوار یا تین اطوار پر مشتمل ہونا فرمایا ہے یعنی تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ، ان ہر سہ منازل کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی انفرادی زندگی کا طور طریقہ ایسا اختیار کرنا چاہئے جس سے وہ سچا اور صحیح مسلمان کہلایا جا سکے جیسا کہ عقیدہ کی پختگی، ذاتی کردار کی بلندی، اسے حکمت ولی اللٰہی میں تہذیب الاخلاق کا نام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے امور معاش میں کنبہ قرب و جوار کا محتاج ہے۔ ان متعلقہ افراد کے حقوق کا تعین تدبیر منزل کہا جاتا ہے۔

مسلمان محکومی کے لئے نہیں بلکہ حاکمیت کے لئے ہے۔

اس حاکمیت کے راہ نما اصول سیاست مدنیہ کہلاتے ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ العزیز نے ان حقوق اور آداب کے استنباط کے ساتھ ساتھ ان ہر سہ اطوار اور ادوار کا اثبات فرمایا ہے جس کی ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

سورۃ بقرۃ کے رکوع نمبر ۱۸ (آیت ۱۴۹ سے لیکر ۱۵۲ تک) سے تہذیب الاخلاق کی تعلیمات کا استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ تہذیب الاخلاق (اصلاح فرد) کے متعلق پانچ مسائل ہیں۔ (۱) ذکر، (۲) شکر، (۳) صبر، (۴) دعا، (۵) تعلیم شعائر اللہ۔

حضرت قدس سرہٗ العزیز نے انسانی تربیت کے اصول کو ان پانچ میں قرآن عزیز کی روشنی میں محدود فرما کر سمندر کو قطرہ میں سمو دیا ہے (زاہ اللہ احسن الجزاء) ظاہر ہے کہ اخلاق کی اصلاح اور تربیت ذکر اللہ کے بغیر ہونی ناممکن ہے۔ شاید یہی حکمت ہے کہ قرآن حکیم نے ذکر اللہ کی بہت تاکید

فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور قرب مالک حقیقی سے مشرف ہو جائے تو اب اگر مقاصد پورے ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں تو شکر ادا کرنا ضروری ہے اور کبھی اس کی حکمت مقاصد کے پورے نہ کرنے کی متقاضی ہو تو اب صبر کرنا بھی تہذیب الاخلاق کا رکن ہے۔ صبر اور شکر دونوں کا مرجع تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس سے کمال محبت پیدا کرنے کے لئے بار بار اسی کے دروازے پر دست سوال دراز کرنا ضروری ہے۔ جب اس تعلق سے ربط حقیقی پیدا ہو جائے تو پھر محبوبِ حقیقی اور معبودِ حقیقی کا ادب فرض ہے۔

حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز نے ارشاد فرمایا:

باب تہذیب الاخلاق کا حاصل یہ ہے کہ معبود حقیقی وحدہٗ لاشریک لہٗ عز اسمہٗ جل مجدہٗ سے انسان کا تعلق بہترین طریقے سے قائم ہو جائے۔ (فائدہ متعلقہ آیت ۱۶۳)

تدبیر منزل فرد جب اپنے گھر کی چار دیواری سے قدم باہر رکھتا ہے یا اس کی ذمہ داری اس کی اپنی ذات سے تجاوز کرتے ہوئے خاندان، قوم، قبیلہ، محلّہ، شہر تک وسیع ہو جاتی ہے، تو اس دور زندگی کا اصطلاحی نام تدبیر منزل رکھا گیا ہے۔ حضرت قطب عالم مفسر قرآن عزیز نے تدبیر منزل کے پانچ مسائل کا استنباط کرتے ہوئے فرمایا ہے، تدبیر کے مسئلوں میں پہلا مسئلہ کسب رزق ہے جو آیت ۱۶۴ سے ظاہر ہے۔ حصول رزق کے ساتھ ہی صرف و انفاق کا مسئلہ ضروری ہے جس کا استنباط اس آیت کے ساتھ مذکورہ آیت سے فرمایا ہے۔ ضروریات زندگی کے حصول اس کے صرف کرنے کے لئے جب قدم باہر رکھا جائے گا تو کبھی کبھی انسان حدود و حقوق سے تجاوز کر کے دوسروں پر دست انداز ہو جائے گا، اس کی اصلاح کے لئے تیسرا مرحلہ (نظام فوجداری) کو متعین فرمایا۔ اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دلائل تک ہی معاملہ محدود ہے، تو یہ چوتھا مسئلہ (نظام دیوانی) بن جاتا ہے۔ شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز نے ان پانچ مسائل کو سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۶۴ سے آیت ۱۸۸ تک استنباط فرمایا ہے۔

انسانی عروج کی آخری منزل جس کا اصلاحی نام (سیاست مدنیہ) ہے حضرت قدس سرہٗ العزیز کے اس طرز تاویل اور استنباط سے جس طرح قرآنی ہدایت کی تفسیر کی گئی ہے، اس میں وہ جامعیت اور عالمگیر افادیت ہے، دوسری تفاسیر میں اس طرز استدلال پر نہیں، ملتی بلکہ یوں کہا جا سکتا

ہے کہ حضرت شیخ التفسیر نے سورۃ بقرۃ کی ان آیات کی روشنی میں وہ اصول استنباط فرمائے ہیں جن سے فرد، معاشرہ، قوم وملت کی زندگی استوار ہوکر رفعت کو حاصل کرسکتی ہے۔

**تیسری خصوصیت:**

حضرت قدس سرہٗ العزیز نے ربط آیات، ربط سور بلکہ ربط رکوعات میں مخصوص انداز اختیار فرمایا ہے جو مختصر سے مختصر ہونے کے باوجود اس قدر جامع ہے کہ چند کلمات میں کئی صفحات کا مضمون سمو دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الانعام کی ابتداء میں نہایت ہی لطیف پیرایہ میں سورۃ الانعام کا ربط سورۃ المائدۃ اور دوسری سورتوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔اور پھر سورۃ الانعام کی تعلیمات کا سارا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کی مجوسیوں کی اجمالی تعلیمات کا استحضار بھی ہو گیا اور یہ حضرت کی قرآن فہمی کا انداز ہے (رحمہ اللہ) جیسا کہ فرمایا: مجوس کا عقیدہ ہے کہ خالق دو ہیں (۱) خالقِ خیر جسے یزداں کہتے ہیں (۲) خالقِ شر جسے اہرمن کہتے ہیں، اس سورۃ میں اس خیال باطل کی تردید کی جائے گی سبق توحید (جو کہ سابقہ سورتوں میں گزر چکا ہے) پختہ کرایا جائے گا، پختگی توحید کے لئے اتباع کتاب اللہ کرایا جائے گا، اور ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ کو توحید پرستی میں پیش کیا جائے گا۔(واللہ اعلم)

چونکہ سورۃ البقرۃ میں یہود کے غلط عقائد کی اصلاح تھی اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت مسیح علیہ السلام کی اصلاح تھی، پھر سورۃ النساء میں الوہیت مسیح کی تردید کو، سورۃ مائدۃ میں اس غلط عقیدہ کی اخروی قباحت کو بیان فرمایا، کہ قیامت کے دن سوائے مسیح ابن مریم علیہ السلام کے اور کسی بھی نبی سے ایسی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ ان سے ہوگی، اور اس نوعیت تک ان کو غلط عقیدہ والی امت نے پہنچایا جو کہ ان کو معبود اور ان کی والدہ ماجدہ کو معبود قرار دیتے تھے۔

جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت عرب کے بعض علاقوں اور سارے فارس میں دین مجوسیت کا غلبہ تھا اس لئے قرآن عزیز جو کہ اصلاح عالم کے لئے نازل فرمایا گیا اس سورۃ الانعام میں دین مجوسیت کی تردید فرمائی کہ خالق خیر اور خالق شر ایک ہی ذات ہے روحانیت اور مادیت کا خالق وہی وحدہٗ لاشریک ہے چنانچہ حضرت شیخ التفسیر نے سورۃ الانعام کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے

فرمایا: (جس طرح اللہ تعالیٰ روحانیت (نور) کا خالق ہے اسی طرح مادیت کا بھی خالق ہے، نور اور ظلمت دونوں کا بنانے والا ہے، کفار (مجوسی) خیال کرتے ہیں کہ نور کا وہ خالق ہے اور ظلمات کا خالق کوئی دوسرا ہے۔

آیت (۲) کی تفسیر اور ربط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تمہیں کئی درجے طے کرا کر مٹی سے بنایا اور ایک مدت تمہارے رہنے کی مقرر فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے علو مرتبت کے باعث غیر نورانی چیز کو ہاتھ نہ لگانا چاہتا تو مٹی جیسی حقیر شئی سے انسان کو کیسے بناتا لیکن چونکہ اس کے سوا خالق نہیں اسی لئے ہر چیز کو خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے بناتا ہے۔

**چوتھی خصوصیت:**

چونکہ قرآن کریم کی تمام تعلیمات کا جوہر اور خلاصہ تعلق باللہ ہے یعنی انسان کو یہ بات سمجھائی گئی کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسی کا حکم ساری کائنات پر نافذ اور جاری ہے، اس لئے انسان اپنی دونوں حالتوں میں (خوشی اور غم) اپنا تعلق محسن حقیقی حق تعالیٰ کے ساتھ رکھے کسی بھی وقت اس کے تعلق اور ذکر سے غافل نہ ہو۔

شیخ التفسیر نے قرآن عزیز کی کئی آیات کی تاویل اور استنباط سے بنیادی عقیدہ کو ثابت فرمایا۔

سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

دنیا میں صفات الٰہی کے غیر متناہی مظاہر ہی سب سے پہلے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی جس مظہرِ الٰہی سے انسان کا تعارف ہو جاتا ہے وہ مظہر صفت ربوبیت ہے مثلاً دنیا میں آتے ہی جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو وہ روتا ہے، جب ماں کا پستان منہ میں لے لیتا ہے تو چپ ہو جاتا ہے بلکہ اس مظہر ربوبیت (ماں) سے یہاں تک مانوس ہو جاتا ہے کہ سخت رو رہا ہو اور ماں ساتھ آ کر لپٹ جائے تو چپ ہو جاتا ہے گود میں اٹھائے تو مطمئن نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو کائناتِ انسانی کی سب سے بڑی محسنہ ماں کے اطوار اور تعلقات کی تمثیل سے سمجھائے ہوئے خالق حقیقی اور بندے کا ربط اور اعتماد استوار کرنے کی تعلیم دیتے

ہوئے فرمایا:

اس آیت میں عاقل بالغ انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان مظہر ربوبیت کے ایک ادنیٰ سے نمونے کے ساتھ جب تمہیں اتنا سخت انس ہے تو تمہیں منبع ربوبیت کے ساتھ بطریق اولیٰ انس ہونا چاہئے جو سارے جہاں کا حقیقی رب ہے۔

## پانچویں خصوصیت:

شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز کی تفسیر کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ربط آیات میں اگر ربط کی صورتیں ایک سے زیادہ سمجھ میں آسکیں تو یہ قرآنی تعلیمات کی عالمگیری اور افادیت عامہ کے لئے نظریں بن سکتی ہیں۔ اس لئے آپ نے ربط آیات ایک سے زیادہ وجہ ربط و مناسب کو بیان فرما کر تعلیمات قرآنیہ کی افادیت کو عام فرمایا جیسا کہ سورہ الانعام کی آیت ۱۵۱ میں فرمودہ چند احکام کا ربط بیان کرتے ہوئے فرمایا:

شرک نہ کرو اور تعلق باللہ درست کرو (وبالوالدین احسانا) تعلق بالخصوص ٹھیک رہے مخلوق میں یہ بالادست کی مثال ہے، انسان کی خوبی تمیز کرنے کا یہ موقع ہے کہ جو بے طمع محسن ہیں ان پر احسان کرے اور ان کے ساتھ برائی کا کبھی وہم بھی آئے (ولا تقتلوا اولادکم) تعلق بالخلوق میں یہ زبردست قانون ہے، بھوک کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرنا پہلا ترجمہ ہے جس طرح زمانہ جاہلیت میں رائج تھا اور دوسرا ترجمہ جو ساری دنیا کے ہے یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی فقط رزق کمانے کے لئے اولاد کو معمولی پیشوں میں قید رکھتا ہے اور اس کو حسب فطرت پڑھنے، تعلیم الٰہی دلانے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم اٹھانے سے روکتا ہے تو یہ بھی قتلِ اولاد ہے، یہ بات مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہے۔

مسطورہ بالا تفسیر اور اس کے بعد تاویل میں حضرت نے قرآنی روشنی میں یہ مسائل مرتب فرمائے۔

(الف) شرک سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ معبودِ حقیقی سے جو خالق اور مالک ہے، اور تمام انعامات کا عطا کرنے والا ہے اسی کے ساتھ تعلق قائم رہے، توحید پر ایمان کامل، یہ حقوق اللہ میں سے بڑھا ہوا اور اہم حق ہے۔

(ب) حقوق اللہ کے بعد دوسرا حق جو ایک مسلمان کے متعلق ہے وہ حقوق العباد کہلائے جاتے ہیں۔
حقوق العباد کی حکمت کو آپ نے تعلق بالمخلوق کے ساتھ تعبیر فرما کر اس حکمت کو اجاگر فرمایا۔
(ج) حقوق العباد میں مقدم تر حقوق خاندان اور برادری کے ہیں جن میں والدین کو بالا دست فرما کر حدیث نبوی کی صحیح ترجمانی فرمائی اور اولاد کے حقوق کو زیر دست کا قانون قرار دے کر ان کے بدنی تحفظ کو والدین کا فریضہ قرار دیا۔

دوسرے ترجمے میں بطور تاویل کے عمومی تربیت کا معنی لیا ہے، جس میں اولاد کا تحفظ جانی، روحانی اور ایمانی اجاگر ہو کر قرآن عزیز کی سورۃ تحریم آیت (۴) کا مفہوم ادا ہو رہا ہے جس میں ارشاد فرمایا:

قوانفسکم واھلیکم نارا

ترجمہ: بچاؤ اپنے آپ کو اور اہل خانہ کو دوزخ کی آگ سے۔

## چھٹی خصوصیت:

جیسا کہ قرآن کا یہ اعجاز مسلم ہے کہ اس کے ارشادات کی تفسیر طویل تر بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ ابن النقیب حنفی کی مرتب تفسیر چار سو (۴۰۰) مجلدات میں ہے اور مختصر سے مختصر کلمات میں بھی کی جاسکتی ہے جیسا کہ جلال الدین محلی اور جلال الدین شافعی (سیوطی) کی مرتبہ تفسیر جلالین ہے۔

حضرت قدس سرہٗ العزیز کا طریقۂ تعلیم اور تدریس یہ تھا کہ تھوڑے تھوڑے وقت میں بھی قرآنی معارف کے متلاشی کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کرلیں۔ اس لئے حضرت نے نہایت ہی احتیاط اور کمال حزم کے ساتھ قرآن عزیز کی تمام سورتوں بلکہ رکوعات کا خلاصہ بیان فرمایا جس سے ربط اور قرآنی حکمت دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسا کہ (پارہ ۲۷) کی سورۃ الحدید کے متعلق ارشاد فرمایا، سورۃ الحدید کا موضوع طریق حصول سلطنت ہے، اگر عزت چاہتے ہو عزیز کی تابعداری کرو۔

# اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۹/اپریل بروز ہفتہ بمقام لوند خوڑ، مردان منعقد ہوگا۔

# نفس و شیطان اور مادیت پرستی سے معرکہ آرائی

(قسط:۲)

## حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے افادات کی روشنی میں

(علامہ محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

اصلاح فرد کے نصاب کا دوسرا جزء عملِ صالح ہے۔ اعمالِ صالحہ کے بارے میں یہ مغالطہ عام ہے کہ ان کا دائرہ محض عبادات تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ اعمالِ صالحہ صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ یہ چار شعبوں کو محیط ہے۔ عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات۔ ان چاروں شعبوں کے تین تین پہلو ہیں: تعلیمی، تعمیلی اور تکمیلی۔

پہلا مرحلہ ان تمام شعبہ جات کے تفصیلی احکام کو حضرات اہل علم سے براہ راست سیکھنا یا ان کی تجویز کردہ کتب سے پڑھ کر سمجھنا ہے۔ پھر علم برائے علم تو مقصود نہیں اس لیے جتنا علم حاصل ہو، اسے عمل میں لانے کی محنت ضروری ہوتی ہے۔ عمل میں سہولت کے لیے سب سے بہترین معاون انسان کا ماحول ہوتا ہے، عبادت کا ماحول عبادات میں معاون بنتا ہے۔ شفاف لوگوں سے معاملات رکھنا اور حلال اور غیر مشکوک کاروبار سے وابستگی میں معاملات آسان رہتے ہیں۔ اللہ والوں اور کاملین کی صحبت سے معاشرت و اخلاق کی تعلیمات پر عمل آسان رہتا ہے۔ لیکن ان تمام شعبوں میں شریعت کی تعلیمات کا رنگ پوری طرح چڑھنے اور انہیں اخلاص و احسان کی کیفیت کے ساتھ برتنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے تکمیلی پہلو کو حاصل کیا جائے اور وہ بغیر طریقِ تصوف اور راہِ سلوک کی کامل ترتیب میں چلے اور کسی کامل شیخ سے تدریجاً اصلاح لیے بغیر ممکن نہیں۔

جب تک عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کا تکمیلی پہلو تشنہ رہتا ہے اس وقت تک ان کی تعلیم اور تعمیل کے باوجود ان کے اندر موجود رذائل کے پہلو کا امالہ نہیں ہو پاتا اور کسی وقت بھی سالک کے بھٹکنے کا اندیشہ رہتا ہے، بلکہ بعض اوقات تکمیلی پہلو کے بڑے مدارج مثلاً معرفتِ تام، عملِ

مستقیم، دوام و جزم، یادداشت و احسان اور وصول الیٰ اللہ طے ہونے کے باوجود تعلق مع اللہ کے کسی گوشے میں غیر محسوس سی کمی باقی رہ جاتی ہے جو سالک کو بعداز وصول بھی ان شعبہ جات کے تکمیلی پہلو کی آخری سیڑھی ''قبولیت'' سے نیچے گرا دیتی ہے۔ جیسے ابلیس معرفتِ تام، یادداشت و احسان، دوامِ عبادت اور وصول الیٰ اللہ کے باوجود قبولیت سے محروم رہا، کیونکہ اس کے اخلاقی شعبہ کے تکمیلی پہلو میں ایک غیر محسوس کمی رہ گئی تھی جس کا ظہور آدم علیہ السلام کے ساتھ ضد و تعصب اور حسد و رقابت کے وقت ہوا، اور عجب کے رذیلہ کے کچھ جراثیم تھے جنھوں نے اتنا زور دکھایا کہ وہ تکبر کی سب سے بدترین قسم ''تکبر علیٰ اللہ'' (یعنی اللہ کے مقابلے میں تکبر) کا مرتکب ہوکر ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر ہوگیا۔ اس کا گمان تھا کہ منصبِ خلافت کا زیادہ حق دار وہ ہے، لہٰذا حضرت آدمؑ کی جگہ خلافتِ ارضی کا منصب مجھے سپرد ہونا چاہیے۔ اسی حسد و رقابت نے اسے انسان سے دائمی دشمنی مول لینے اور اس کے نتیجے میں ہمہ قسم انعام و اکرام سے محروم ہونے پر آمادہ کیا۔

یہاں یہ نکتہ اہمیت کے ساتھ پیشِ نظر رہے کہ فرد کی صلاح و فلاح اور کامیابی کی بنیاد کبھی ''عقل'' اور عقل کے فیصلے اور کارکردگی نہیں بن سکتے۔ اگر عقل وحی کی روشنی کے تحت محض بطورِ آلہ (Tool) استعمال ہو تو یہ ایک مفید اور کارآمد ادارہ ہے، لیکن اگر اسے وحی کی تربیت سے آزاد اور مستقل ماخذ اور ذریعہ (Source) کا درجہ دیا جائے تو اس کی نارسائی اور بے مائیگی کے باعث فرد تباہی و گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ''عقل'' باطن کے ایک اور طاقتور ادارے ''نفس'' کے زیرِ اثر آنے کا پورا احتمال رکھتی ہے، اور درست سمت میں فیصلہ کی قوت سے محروم ہو سکتی ہے۔ باطن کی نفسانی قوتیں عقل کو تاویلات اور نت نئی دلیلوں کے ذریعے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ شیطان ہی کو دیکھ لیں، بڑا عاقل تھا لیکن جب نفس و قلب کے رذائل کا غلبہ ہوا تو اللہ رب العزت کے سامنے کس ڈھٹائی سے عقلی دلیل گڑھ لی کہ میں آدم کے مقابلے میں اس لیے افضل ہوں کہ اس کی پیدائش مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے۔ نص (خدا تعالیٰ کا واضح حکم جو آیت یا حدیث کی شکل میں ہوتا ہے) کے مقابلے میں عقل کو پیش کرنے کا بانی ابلیس ہے۔ آج کے ابلیسی فلسفہ میں عقلیت پرستی (Rationalism) ایک

بنیادی عقیدے کا درجہ رکھتی ہے اور منصوص احکام پر عقلی دلائل و توجیہات کا مطالبہ علمی فیشن بن چکا ہے۔

جس طرح شیطان کی عقلی دلیل صحیح معنوں میں عقلی نہیں بلکہ وہمی اور خیالی تھی، آج کل کی جدید سائنس میں بھی بہت سارے نظریات محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ عقلی دلیل کا مرتبہ وہم و خیال سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود آج کا نوتعلیم یافتہ طبقہ ان وہمی اور خیالی نظریات و مفروضات کی بنیاد پر نصوص (نص کی جمع) کو رد کرنے سے نہیں کتراتا۔ ابلیس نے جو دلیل پیش کی تھی وہ اس کا وہم اس لیے تھا کہ عقلی اعتبار سے بھی مٹی کی آگ پر کئی طرح سے فضیلت ہے۔ آگ میں تخریب کا مادہ ہے جب کہ مٹی میں تعمیر کا۔ آگ میں تپش ہے اور مٹی میں گونہ ٹھنڈک۔ آگ میں مادہ حیات نہیں جب کہ مٹی میں مادۂ حیات ہے، اس میں سے چیزیں اگتی ہیں۔ آگ میں توسع نہیں وہ اپنے دامن میں کم ہی کسی چیز کو جگہ دیتی ہے جب کہ مٹی میں وسعت ہے۔ یہ آگ، پانی سمیت لاکھوں چیزوں کو اپنی آغوش میں پالتی ہے۔ آگ میں ترفع ہے کہ اوپر کو اٹھتی ہے جب کہ مٹی میں تواضع ہے کہ اس کا میلان نیچے کی جانب ہوتا ہے۔ آگ میں مخلوقات کے لیے کفایت کا سارا سامان موجود نہیں جب کہ مٹی کو اللہ نے انسانی ضروریات کی کفایت کرنے والا بنایا۔ ان خصوصیات کے ساتھ عقل کہاں اسے روا رکھتی ہے کہ آگ مٹی سے برتر ہو۔ یہ تو شیطان کا وہم تھا کہ اپنے مقدمے کے ثبوت کے لیے پیش کرنے کی غلطی کر رہا تھا۔

بلعم باعورا کی مثال بھی لی جاسکتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت نصیب تھی اور واصل الی اللہ تھا لیکن اس کے اخلاقی شعبہ کے تکمیلی پہلو میں نقص کا ظہور ہوا، اور حبِ جاہ کی چنگاری باطن کے خاکستر میں ایسی سلگی کہ اس کی دائمی تباہی کا سامان بن گئی۔

اس سے واضح ہوا کہ محض ان شعبہ جات کا علم کافی نہیں بلکہ ان کو عمل میں لانے کے بعد ان کو منشائے خداوندی کے مطابق ڈھالنے کے لیے کامل تربیت سے گزرنا اور تکمیلی پہلو کے تمام مدارج کو طے کرنا ازحد ضروری ہے۔ یاد رہے کہ تکمیلی پہلو کے تمام مدارج کسبی ہیں لیکن اس کی آخری سیڑھی "قبولیت" وہبی ہے اور اس کا ملنا اس پر موعود ہے کہ پہلے کے تمام مدارج درست اور کامل تربیت سے

طے ہوئے ہوں اوران میں کسی قسم کا نقص باقی نہ ہو۔ضابطہ تو یہی ہے، باقی اللہ تعالیٰ کا فضل کسی ضابطے کا پابند نہیں، وہ جسے چاہے جب چاہے جتنا چاہے عطا کردے۔انسان کو اس کے فضل کا امیدوار رہنا چاہیے لیکن بہرحال اس امید کے ساتھ ہم ضابطے پر عمل کے پابند ہیں اور اس ترتیب پر تمام مراحل سے گزرنے کی محنت بھی لازمی ہے۔

جب ایک فرد ایمان اور عملِ صالح کے ان تمام مرحلوں کو کامیابی سے طے کر لے تو یہ ایک مفید اور کامل فرد بن جاتا ہے اور اس کا وجود زمین میں خیر کا سرچشمہ بنتا ہے۔صرف انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات کے لیے یہ رحمت ہوتا ہے۔اس کی ایک ایک ادا سے مخلوقِ خدا نفع اٹھاتی ہے۔اس کا وجود ظاہری اور باطنی فتنوں کے لیے آڑ بن جاتا ہے۔خداوند کریم اس کی برکت سے مخلوقِ خدا پر اپنی رحمت وشفقت کے دروازے کھول دیتا ہے۔اس کے پاس صدق واخلاص، رحمت و شفقت، تواضع وللّٰہیت، ہمدردی و خیر خواہی، عدل وانصاف، دیانت وامانت، شرم وحیا، علم وحکمت اور غیرت وشجاعت کی ایسی لازوال دولت ہوتی ہے جس کے اثرات وثمرات پورا معاشرہ سمیٹتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مقاصد بعثت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی محنت کا محور ایک ایسے فرد کی تیاری ہے جو ہر حوالے سے کامل ہو، اور اس میں مرکزی اور نصب العینی حیثیت ''تزکیہ نفس'' کو حاصل ہے۔ بقیہ مقاصد یعنی ''تلاوتِ کتاب، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ سنت'' اسی تزکیہ کی تکمیل اور تتمیم کے لیے ہیں، کیونکہ طریقت شریعت (یعنی کتاب وسنت کے احکام) کی روشنی میں ہی تکمیل پاتی ہے اور اس کے بغیر یا اسے نظرانداز کر کے یہ محض ''زندقہ'' ہی رہ جاتا ہے۔ایسا فرد صالح معاشرت اور عادل ریاست کے لئے بنیاد بنتا ہے اور نیتجتاً خلافت علی منہاج النبوۃ کی بہاریں پھوٹتی ہیں جن کی برکات و فیوض محض مسلمان ہی نہیں سمیٹتے بلکہ دیگر انسان حتیٰ کہ ارض وسماء کی دیگر مخلوقات پر بھی اس کے خیر والے اثرات پڑتے ہیں۔

## خسارے سے بچاؤ کے نصاب کا دوسرا جزء

سورۃ عصر میں دائمی خسارے اور تباہی سے بچاؤ کے لئے نصاب کا دوسرا جزء ''وتــواصــوا

بالحق وتواصوا بالصبر“ میں بیان ہوا ہے۔ علماء کرام نے اس کی مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک پورا وعظ اس موضوع پر ہے۔ ان دو جملوں میں معاشرت وریاست کے حوالے سے ایک مردِ مؤمن کی جتنی شرعی ذمہ داریاں ہیں، قرآن مجید نے اپنے معجز اسلوب میں سمیٹ دی ہیں، علماء کرام کی تفاسیر کی روشنی میں ان کا خلاصہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اگر فرد کامل ایک اسلامی معاشرے میں دینی محنت کرے تو امر بالمعروف کی محنت ''ارشاد واصلاح'' اور نہی عن المنکر کی محنت ''احتساب'' کہلاتی ہے۔ ارشاد واصلاح اور احتساب کی یہ محنت ساتھ ساتھ چلتی ہے، اگر ان میں ایک پہلو نظر انداز ہو یعنی ارشاد واصلاح پر تو زور دیا جائے لیکن ضروری احتساب سے چشم پوشی برتی جائے، یا احتساب میں تو خوب سرگرمی دکھائی جائے لیکن ارشاد واصلاح سے روگردانی کی جائے، تو دونوں صورتوں میں ''غیر متوازن دینی تحریکات و افکار'' کو وجود ملتا ہے جن سے خیر کا پھیلاؤ ہونے کی بجائے دینی ودنیاوی نقصان کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

## امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حدود

پھر ارشاد واصلاح اور احتساب میں فرد کامل کی کوششوں کا درجہ معاشرت اور ریاست میں جدا جدا ہوگا۔ معاشرتی سطح پر کام کا دائرہ محدود ہوتا ہے جبکہ ریاستی سطح پر یہ ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جب بندہ کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کم تر درجہ ہے۔ (مفہوم حدیث) اس میں معاشرتی برائیوں کے لئے ہاتھ اور قوت سے روکنے کی طاقت عموماً ریاست ہی کے پاس ہوتی ہے ایک عام فرد اس درجہ کا مخاطب نہیں، اگر وہ خود ہی قانون ہاتھ میں لے کر منکرات پر معاشرے کا احتساب شروع کرے گا تو اس سے فساد پھیلے گا۔ ہاں اگر یہ خرابی خاندانی سطح پر ہو یا کسی محکمے کی سطح پر ہو تو خاندان کا سربراہ شریعت کے عطا کردہ دستی اختیار اور محکمے کا افسر قانونی اختیار سے کام لے کر بزور اس چیز پر پابندی لگا سکتا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی برتے گا تو عنداللہ ماخوذ ہوگا

(پکڑا جائے گا)۔

اس میں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ''حکمت وبصیرت'' کا بھی بڑا دخل ہے، ایک راہ سلوک سے وابستہ داعی اور محتسب اگر حکمت وبصیرت سے تہی دست ہو تو اس کا اصلاحی کام معاشرتی وریاستی اداروں میں مفید تبدیلی نہیں لاسکتا، اسی حکمت کے پیش نظر شریعت کی یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر معاشرتی یا ریاستی سطح پر کسی منکر کا انسداد صرف سربراہ کی خفگی ظاہر کرنے پر ہی ہوسکے تو اسے زبان سے بلا وجہ کام نہیں لینا چاہیے اور ادنیٰ درجہ ہی پر کفایت کرنی چاہیے۔ اسی طرح اگر اس کی زبانی تنبیہ کارگر ہوسکتی ہے تو اسے بلا وجہ ہاتھ یا قوت کا استعمال کرنا قطعاً مناسب نہیں، یہ تینوں درجات ارتقائی وتدریجی ہیں۔ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھنا ہوتا ہے اور اس کا لحاظ ہی ''حکمت و بصیرت'' ہے۔

اسی طرح جہاں فردِ کامل کے پاس ریاستی اختیار نہ ہو تو معاشرہ میں زبانی ارشاد واصلاح کی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں اس کی زبانی فہمائش سے منکر کا خاتمہ نہ ہو تو اس کے ذمے قلبی نفرت کا اظہار ضروری ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس ''منکر'' کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کرلے، اور یہ مقاطعہ (بائیکاٹ) ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اگر وہ اس میں بھی کوتاہی کرتا ہے تو وہ ''منکر'' کے حوالے سے ایمان کے آخری درجے یعنی ''قلبی نفرت'' کا اظہار کرنے سے بھی محروم رہا اور اس کی ایمانی حالت اسلام کے طے کردہ معیار کے مطابق نہ رہی، جب معاشرے میں ''منکرات'' کا اس پیمانے پر پھیلاؤ ہو کہ "امر بالمعروف ونھی عن المنکر" کے اہل افراد اس آخری درجہ سے بھی تہی دست رہ جائیں اور اتنی مقدار بھی دینی حمیت کی باقی نہ رہے تو معاشروں پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آتی ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ)

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ معروف ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی ایک بستی مکمل نیست ونابود کرنے کا حکم دیا گیا، حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! اس بستی میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جنھوں نے پلک جھپکنے کے بقدر تیری نافرمانی نہیں کی تو کیا اسے بھی ساتھ ہلاک کردوں، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ہاں اسے بھی ساتھ ہلاک کردیں کیونکہ اس کے سامنے میری

نافرمانی ہوتی رہی لیکن اس کی ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔ (مفہوم حدیث) اس شخص کی ہلاکت کا باعث یہی تھا کہ ''منکرات'' کے حوالے سے اللہ تعالی کو ایک بندہ مؤمن سے جو حمیت و غیرت کا آخری درجہ مطلوب ہے، یہ اس سے تہی دست تھا اور یہ اپنے رویے سے اس درجہ نفرت کا اظہار بھی نہ کرسکا تھا۔ اسی طرح حدیث میں بنی اسرائیل کی تباہی کا سبب یہ بھی بتلایا گیا کہ ان کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے وابستہ حضرات لوگوں کو زبانی تبلیغ تو کرتے لیکن ''منکرات'' سے باز نہ آنے پر بھی ان کے ساتھ سماجی رابطے بحال رکھتے اور بائیکاٹ نہ کرتے۔ لہٰذا عمومی عذاب کے نرغے میں دونوں طبقے آئے۔

ان روایات کی روشنی میں بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سالک جب اپنی ضروری اصلاح کے بعد معاشرہ میں اصلاح وارشاد اور تبلیغ کی سرگرمیوں سے وابستہ ہوتا ہے تو اسے ''وصیت حق'' کے مرحلہ میں سماجی مقاطعوں تک کی نوبت کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے اس تلخ گھونٹ کے پینے پر اگلے جملے میں ''تواصی بالصبر'' (یعنی باہم صبر کی تلقین) کی تاکید آئی ہے۔ معاشرہ میں اصلاحی محنت سے وابستہ حضرات کی اگر اس منہاج پر تربیت نہ ہوئی ہو، تو اکثر اوقات ان کی کاوشوں کا ثمرہ ظاہر ہونے کی بجائے ان سے شر پھیلنا شروع ہو جاتا ہے، اور دینی محنت کی عنوان پر خود ان سے دینی احکام کی پامالی کا جرم سرزد ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ گفتگو تو ایک اسلامی معاشرے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے سے متعلق تھی، اب اگر فردِ کامل کفریہ معاشروں تک دین کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری ادا کرے، تو معاشرتی سطح پر اور ریاستی سطح پر فرد کامل کی ذمہ داریاں جدا جدا ہوں گی۔ معاشرتی سطح پر وہ صرف زبانی اسلام کی تبلیغ کرسکتا ہے جسے اصطلاح میں ''دعوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن ریاستی سطح پر اس کے ذمے عسکری دعوت لازمی ہے جسے جہادِ اقدامی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوگا جب ریاست کے پاس اتنی طاقت بھی ہو۔

چونکہ تواصی بالحق یعنی اصلاح وارشاد اور دعوت دین کے نتیجے میں کئی انواع کی مشکلات آسکتی ہیں، مثلاً سفر و ہجرت کی تکالیف، لوگوں کی طرف سے ایذا رسانی، اللہ تعالیٰ کے احکام پورا کرنے

اور گناہ سے بچنے میں مجاہدۂ نفس، میدان جہاد میں جم کر لڑنے اور دشمن کی یلغار کے سامنے ڈٹنے کی تکلیف وغیرہ.....اس لیے اگلے جملے میں تواصی بالصبر یعنی باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کا حکم دیا گیا کیونکہ مذکورہ تمام تکالیف برداشت کرنا صبر کے مفہوم ہی میں داخل ہیں۔

## خلاصہ کلام

سورۃ عصر کی روشنی میں تصوف کے دائرہ کار کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے تزکیہ کی محنت کا آغاز فرد کی اصلاح سے ہوتا ہے اور معاشرت وریاست کی اصلاح پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے، لہذا صوفی کو دین کے صرف داخلی تقاضوں کا نمائندہ سمجھنا ہرگز درست نہیں، حضرات خلفائے راشدین، دیگر حکمران صحابہ وتابعین، اسلامی حکومتوں کے کئی نامور قاضی اور سرکاری عہدیدار چوٹی کے صوفیا رہے ہیں، اگر تصوف کی محنت محض گوشہ نشینی یا عزلت ہوتی تو جلوت کے کارہائے نمایاں صوفیا انجام نہ دے پاتے۔ دراصل نکتہ یہ ہے کہ صوفیا معاشرت وریاست سے متعلقہ امور کی انجام دہی کو ذاتی اصلاح کی تکمیل سے تہی دست فرد کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں، ان کے لیے اقتدار ودولت فتنہ ہے، دنیا ہے، تباہی وبربادی ہے لیکن زہد وفقر اور معرفتِ رب سے آشنا افراد کے لیے یہ سب کچھ دین ہے۔ کیونکہ قرآنی منہاج یہی ہے کہ فرد دنیوی واخروی خسارہ سے اسی وقت نجات پا سکتا ہے جب وہ ایمان اور عمل صالح کے کمال سے خود کو مزین کر دے، اس کے لیے تعلیمی، تعمیلی اور تکمیلی مراتب کو طے کر لے تب وہ معاشرت و سیاست کے سلگتے میدانوں میں کامیابی سے سفر کر سکتا ہے۔

(جاری ہے)

---

## جان ایلیا سے معذرت کے ساتھ

گزشتہ عہد گزرنے میں ہی نہیں آتا
یہ حادثہ بھی لکھو معجزوں کے خانے میں

جو ردھوئے تھے جہاں میں کئی صدی پہلے
وہ لوگ ہم پہ مسلط ہیں اس زمانے میں

(جان ایلیا)

نیا یہ عہد گزرنے میں ہی نہیں آتا
یہ حادثہ بھی لکھو معجزوں کے خانے میں

جو ایرے غیرے ہیں بدھو ہیں نتھو خیرے ہیں
وہ لوگ ہم پہ مسلط ہیں اس زمانے میں

(حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ)

# ختم نبوت اسلام کا اساسی اور بنیادی عقیدہ

(جناب گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ''فقیر باباجی'' ایڈوکیٹ)

اس کرۂ ارض پر جہاں اچھے اور نیک سیرت، نیک عادات لوگ پیدا ہوئے، وہاں بدسیرت، بدخصلت اور چور بھی پیدا ہوئے۔ چوروں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کوئی مال کا چور، کوئی کسی پوشیدہ خزانے کا چور، کوئی نبوت کا چور۔

جس طرح ہر قسم کے چور ہر زمانہ میں دیکھے گئے ہیں اسی طرح نبوت کے سارق (چور) بھی مختلف وقتوں میں ظاہر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن ایک بات فیصلہ شدہ امر ہے کہ الحمدللہ ہر دور میں سر اٹھانے والے یہ سارق اپنی چوری میں کامیاب ہونا تو درکنار، الٹا شرمندہ اور بے عزت ہو کر جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔

اگر چوری کا خطرہ نہ ہو تو خزانے کا مالک بالکل بے فکر بن کر رہ جاتا ہے۔ اور پھر ایک اجڈ چور کے لئے بھی چوری کرنا آسان کام بن جاتا ہے۔ جس چیز کی جتنی مالیت اور وقعت و اہمیت ہوتی ہے اتنا ہی چوری کے سدباب کے لئے اوزار و ہتھیار بھی مضبوط استعمال کئے جاتے ہیں اور چوکیدار کو بھی چوکنا ہو کے رہنا ہوتا ہے، تاکہ کہنہ مشق چور بھی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔

گزشتہ ایک صدی سے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی لعنۃ اللہ علیہم جیسا ایک اور کاذب (جھوٹا) اور سارق مرزا پنجاب غلام احمد قادیانی کی شکل میں نمودار ہو کر جعلی نبی بننے کی کوشش میں سرگرم عمل ہوا۔ جیسا کہ ہر چور کا چوری کرنے کا اپنا طریقہ واردات ہوتا ہے اسی طرح مسیلمہ پنجاب اور اسود ہندی نے بھی سرقہ کا اپنا طریقہ واردات ڈھونڈ نکالا۔ شاید وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس طرح وہ مسلمانان عالم کو جُل (دھوکہ) دینے میں کامیاب ہوگا۔ جس طرح عام چوروں کے سروں پر ایک طاقتور شخص کا ہاتھ ہوتا ہے، بالکل اسی طرح مرزا قادیانی کو بھی انگریز استعمار کی آشیرباد حاصل تھی بلکہ ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ آج سے تقریباً دو سو ساٹھ سال پہلے برصغیر پاک و ہند میں انگریز

ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کی شکل میں تجارت کے بہانے سے آئے اور پھر ۱۸۵۷ء میں مسلم حکومت گرا کر خود قابض ہوئے۔ انگریز کو اگر کوئی خطرہ محسوس ہو رہا تھا تو مسلمانوں سے تھا کیونکہ دیگر مذاہب کے پیروکار سکھ، وغیرہ تو ان کے لئے اتنے خطرناک نہیں تھے۔ تحریک احمدیت کے مؤلف کے مطابق استعماریوں کے جاسوسوں نے انگریز حکومت کو اطلاع دی کہ ہندوستان کے مذہبی پیروکار اپنے بزرگوں کی بات بہت مانتے ہیں جب وہ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ برطانوی عیسائی کافر ہیں اور ہمارے ملک پر قابض ہیں، انہیں یہاں سے مار بھگاؤ تو وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں، کیونکہ انکا یقین ہے کہ ان عیسائیوں کے ساتھ لڑنا جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس جذبہ کو سرد کرنے کیلئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو نبوت کا دعویٰ کرے اور پھر جہاد کی حرمت کا اعلان کرے۔

لہٰذا انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں کسی طرح شگاف پیدا کیا جائے کہ ان کا مذہبی اور روحانی تعلق خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد ﷺ سے کمزور کیا جائے۔ چنانچہ اسی شرمناک سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے کسی مناسب شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جو بہترین کاذب ہو اور جس سے جھوٹی نبوت کا اعلان جاری کرایا جائے، اور بحیثیت نبی اس سے جہاد کی منسوخی کا اعلان کرایا جائے تا کہ برطانوی سامراج پورے خطے میں بلا خوف و خطر حکومت کر سکے۔ اس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے مرزا قادیانی کی خدمات حاصل کی گئیں۔

مرزا قادیانی کا سرقہ نبوت کا طریقہ واردات یہ رہا کہ پہلے مجدد پھر مہدی پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر ظلی و بروزی نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد باقاعدہ تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ آخر میں ایک فنکار اور ماہر چور کی طرح اپنی نبوت کو سید الکونین خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے افضل قرار دینے لگا۔ (فلعنه الله واء خذاه و كل من تبعهٔ)

حضور نبی کریم حضرت محمد عربی ﷺ نے پیشگوئی کر کے ارشاد فرمایا تھا:

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ انه سيكون فی امتی كذابون ثلاثون كلهم يذعم انه نبی و انا خاتم النبيين لانبی بعدی. (رواہ مسلم)

ترجمہ: عنقریب میری امت میں تیس (۳۰) بڑے دجال اور کذاب پیدا ہونگے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، لیکن میں ہی آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس پیشگوئی کے مطابق نبی العرب والعجم ﷺ کے مبارک زمانہ ہی میں متعدد لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ ان میں سے کچھ تو تائب ہو گئے اور کچھ اپنے جرم کی سزا پا کر جہنم رسید ہوئے۔ مضمون کی طوالت سے بچنے کی خاطر صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں، یہ اجاگر کرنے کے لئے کہ عقیدہ تحفظ ختم نبوت کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس امانت گراں بار کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔

اثاثہ نبوت محمدی ﷺ پر ڈاکہ ڈالنے والا سب سے پہلے چور مسیلمہ یمامہ تھا، جو کذاب یمامہ کے نام سے بھی جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ مسیلمہ یمامہ پہلا "سارق النبوۃ" تھا۔ جناب خاتم الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین ﷺ نے اس کے ایک بے معنی اور فضول خط کے جواب میں خط لکھواتے ہوئے فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ منجانب محمد الرسول اللہ بنام مسیلمہ کذاب
سلام اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم
ہو کہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس
کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامیابی متقیوں کے لئے ہے۔"

اس طرح اس بد بخت کو پہلی مرتبہ یہ نام دربار نبوت ﷺ سے دیا گیا۔ مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کر دیا۔

اس کے بعد ایک دوسرا سارق اسود عنسی کی شکل میں نمودار ہوا۔ یہ شخص یمن کا باشندہ تھا جسے فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے انجام تک پہنچایا۔ چوروں کی چوری کا یہ سلسلہ دورِ مسعود سے شروع ہو کر جاری ہے۔ ابھی تک احقر کے علم کے مطابق اکیس (۲۱) سارق النبوۃ جہنم واصل ہو چکے ہیں اور بائیسواں مسیلمہ پنجاب اور اسود ہندی غلام احمد قادیانی کی صورت میں ہیضہ کے وبائی مرض سے ہلاک ہو چکا ہے۔ ابھی اور بھی چوروں نے آنا ہے کیونکہ میرے محبوب آقائے دو جہان خاتم الانبیاء حضرت محمد

الرسول اللہ ﷺ نے تیس (۳۰) چوروں کی پیشگوئی فرمائی ہے۔

مسیلمہ کذاب نے بھی مسیلمہ پنجاب کی طرح خزانہ نبوت چرانے کے لئے اس پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے آدھی عرب سرزمین پر نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا اور ایک بہت بڑی فوج بھی تیار کر رکھی تھی۔ رئیس الصدیقین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سارق اور کاذب کی سرکوبی کے لئے لشکر جرار بھیجا۔ یمامہ کے مقام پر زبردست لڑائی ہوئی جس میں جھوٹی نبوت کا دعویدار مسیلمہ کذاب اپنے بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) پیروکاروں سمیت خاشاک جہنم بن گیا۔ اس معرکۂ خون آشام میں آسمان نبوت کے بارہ سو (۱۲۰۰) درخشندہ وتاباں ستاروں نے اپنی مطہر جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور علمِ (جھنڈا) نبوتِ سیدالمرسلین کو لہرائے رکھا۔

اللہ جل شانہٗ کا قرآن مبین میں ارشاد مبارک ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے اور خدا بڑا کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں مرتدین کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کے چھ اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں۔

۳۔ وہ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ہیں۔

۴۔ وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔

۵۔ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں۔

۶۔ وہ دینی معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

**قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ان سیکون فی آخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یقاتلون اھل الفتن** (دلائل النبوۃ: ج۶،ص۵۱۳)

ترجمہ: نبی مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جنھیں ان کے اعمال کا ثواب پہلے دور کے لوگوں کی شرح کے مطابق ملے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں گے اور اہل فتن سے معرکہ آرائی کرتے ہوں گے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث مبارک کی شرح میں لکھتے ہیں:

**(یقاتلون) بایدیھم او بالسنتھم (اھل الفتن) ای من البغاۃ و الخوارج و الروافض و سائر اھل البدعۃ.** (مرقاۃ: ج۱۱،ص۴۶۹)

ترجمہ: وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرتے ہیں (اہل الفتن کے ساتھ) یعنی باغیوں، خارجیوں، رافضیوں اور بدعتیوں کے ساتھ۔

مذکورہ بالا آیت قرآن اور حدیث رسول ﷺ سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مسیلمہ کذاب سے لیکر مسیلمہ پنجاب سارق النبوۃ مرزا قادیانی تک ہر جھوٹے نبی اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ مصروفِ جہاد رہے۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جہاد کا مفہوم عام ہے۔ باطل کا مقابلہ خواہ زبان سے کیا جائے خواہ قلم یا تلوار سے کیا جائے، یہ سب اقسام جہاد کی تعریف اور مفہوم میں شامل ہیں۔

اپنے محترم قارئین کرام کے علم میں اس چور سے متعلق تعارف اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ چور کون تھا، کہاں سے آیا اور کہاں آباد ہو کر کہاں اور کیسے پیوندِ نار ہو گیا۔

مرزا قادیان غلام احمد مرزا کے باپ کا نام مرزا غلام مرتضٰی تھا۔ مرزا پنجاب ۴۰۔ ۱۸۳۹ء میں بھارت کے مشرقی پنجاب کے ضلع گورداس پور تحصیل بٹالہ کے ایک قصبہ قادیان میں پیدا ہوا۔ عربی فارسی کی دو چار کتابیں پڑھ کر نیم ملا بن بیٹھا اور اپنی علمیت کے گن خود گانے لگا اور صحیح طور سے نیم ملا بن کر نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے پیروکاروں کے لئے بھی مکمل خطرۂ ایمان بن گیا۔

تقسیم ہندوستان کے دوران اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ شمار کرتے ہوئے اپنی علیٰحدہ فائل ریڈکلف کمیشن کے سامنے پیش کی تا کہ انہیں الگ ریاست دی جائے۔ اس میں ناکام ہو کر انہوں نے وطن عزیز کے صوبہ پنجاب ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ میں دریائے چناب کے پاس ایک مقام ۹۰ سالہ لیز پر حاصل کیا جس کا نام انہوں نے ''ربوہ'' رکھا اور اسے اپنا عالمی ہیڈ کوارٹر بنایا۔

مرزا قادیانی نے سارے دعوے بیک وقت نہیں کئے بلکہ ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۸ء تک وقتاً فوقتاً بتدریج کئے۔ سب سے پہلے مناظرِ اسلام کے روپ میں ظاہر ہوا۔ پھر مجدد اور ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد بلند و بانگ دعاوی محدث، مامور من اللہ، مہدی، مسیح ابن مریم، نبی وغیرہ کر کے ضلالت اور کفر کا نشان بن گیا۔ اس نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں پیوندکاری کر کے انہیں الہامات کا نام دیا اور خود صاحب الہام ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں وبائی ہیضہ سے اس کی ہلاکت ہوئی۔

اس کے بعد مرزا پنجاب کا ایک پیروکار حکیم نور دین اس کا جانشین اول بنا۔ ۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو حکیم نور دین کے مرنے کے بعد قادیانی پارٹی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ قادیان کے اصل مرکز پر مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود نے قبضہ جما لیا اور پارٹی کے دوسرے حصے کی سربراہی مرزا کے ایک وفادار مولوی محمد علی نے سنبھال کر قادیان کے بجائے لاہور کو اپنا مرکز منتخب کیا (یہ بات از حد ضروری ہے کہ بعض لوگ مرزائی مولوی محمد علی اور عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں فرق نہیں جانتے، یہ دونوں الگ شخصیات ہیں) ۱۹۶۵ء میں مرزا کے جانشین دوم مرزا محمود کے مرنے پر اس کے بیٹے مرزا ناصر نے مرزا قادیانی سارق کے جانشین سوم کا منصب سنبھالا۔ ۹ جون

۱۹۸۲ء کو مرزا ناصر کے مرجانے پر اس کا چھوٹا بھائی مرزا طاہر اس مسند پر جماعت کے چوتھے سربراہ کے طور پر متمکن ہوا۔

جب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے قادیانیوں کے ہر دو گروہ کے نمائندوں مرزا ناصر اور لاہوری پارٹی (مولوی محمد علی مرزا گروپ) کے سربراہ صدرالدین کے بیانات سننے کے بعد قادیانیوں کے ہر دو گروہوں کو خارج از اسلام اور خارج از جماعت مسلمین قرار دینے کا آئینی فیصلہ کیا۔ اس واضح آئینی فیصلہ کے باوجود مرزائی نہ صرف اپنے آپ کو مسلمان اور باقی ساری دنیا کے مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دیتے رہے بلکہ اپنے عقائد باطلہ کی اسلام کے نام سے تبلیغ بھی کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے وطن عزیز کے صدر جنرل ضیاء الحق نے قادیانیوں کی ان مذموم حرکات کو بند کرنے کے لئے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس (Anti-Islamic Activities of the Qadiani Group, Lahori Group and Ahmadis Prohibition and Punishment Ordinance, 1984) جاری کیا۔ جس کی رو سے قادیانیوں کو مسلمانوں کی مخصوص مذہبی اصطلاحات کے اس ناجائز استعمال سے روکا گیا۔ قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے اس آرڈیننس کو قبول نہ کیا اور چپکے سے یکم مئی ۱۹۸۴ء کو ملک سے فرار ہو گیا اور لندن میں بیٹھ کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مرزائیت کا پرچار بذریعہ سیٹلائٹ کر رہا ہے۔

مرزائی اپنے آپ کو احمدی کیوں کہتے ہیں؟

قرآن کریم کی سورۃ الصّف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک بشارت کا ذکر ہے۔ انہوں نے بشارت دی تھی:

وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ (الصف:۶)

یعنی میں (عیسیٰ) اس پیغمبر کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہو گا۔ اس خوشخبری کے صحیح اور حقیقی مصداق حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین والمرسلین ﷺ ہیں مگر قادیانی اس پیشگوئی کا مصداق مسیلمہ پنجاب، اسود ہندی سارق النبوۃ مرزا غلام احمد قادیانی کو قرار دیتے ہیں۔ اس

وجہ سے وہ اپنے آپ کو احمدی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو غیر احمدی (نعوذ باللہ) قرار دیتے ہیں جو ان کا بڑا دھوکہ اور صریح کفر ہے۔

قادیانیوں کے فاسد عقائد میں سے ایک اور عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرزا غلام احمد سچا نبی ہے اور وہ دین مردہ دین ہے جس میں سلسلۂ نبوت بند ہو۔ نیز ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب سولی پر لٹکائے گئے تو وہ زندہ بچ کر کشمیر چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔

قادیانیوں کے عقیدۂ باطلہ کے مطابق قادیان (انڈیا) مکہ مکرمہ کی طرح ارضِ حرم ہے۔

قادیانیوں کے ہاں اطاعتِ انگریز واجب ہے۔

مرزا پنجاب کی وجہ سے عقیدہ جہاد منسوخ ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک اب جو مسلمان جہاد کے نام پر کسی سے لڑے گا، وہ بغاوت اور غدر کا مرتکب گردانا جائے گا۔ مرزا کے مطابق تلوار اور بندوق کا جہاد ختم ہو گیا ہے اور اب صرف قلم اور زبان سے جہاد ہو گا۔

ایک انگریز ڈبلیو ڈبلیو ڈی ہنٹر (W. W. D. Hunter) نے اپنی کتاب "Our Indian Musalmans" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں کا جذبۂ جہاد ان کی سلطنت کے لئے مستقل خطرہ ہے اور انگریز کا یہی مشن لے کر مرزا قادیان نے اپنی جھوٹی نبوت کی داغ بیل ڈالی کہ انگریز کا وفادار رہ کر اس کا حق نمک ادا کر سکے۔

سارق نبوت پر کفر کا فتویٰ سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے ۱۳۰۱ھ میں لگایا۔ اس کے بعد حضرت مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے ۱۳۰۲ھ میں کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ اس فتویٰ کو ۱۳۰۳ھ میں بلادِ عرب میں بھیجا گیا اور وہاں سے علمائے حرمین شریفین سے مرزا قادیانی پر کفری فتویٰ کی توثیق پا کر ۱۳۰۵ھ میں واپس ہوا۔ اس کے بعد تو اسود ہندی پر فتاویٰ کفر کی ایک قطار لگ گئی۔ جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرات علمائے دیوبند، سعودی عرب کے مفتی اعظم اور وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ رئیس ریاست البحوث الاسلامیہ دارالافتاء والدعوۃ والارشاد الشیخ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور علمائے مصر وشام وغیرہم نوراللہ مرقدہم ومرقدہم کے قابل قدر فتاویٰ جات شامل ہیں۔

سارق نبوت مرزا قادیان اور اس کے پیروکاروں (علی بابا اور چالیس چور) پر جرم سرقہ مکمل طور ہر چار جہت سے ثابت ہو چکا ہے اس لئے لازمی طور پر ایمان اور تحفظ رسالت ﷺ کا تقاضا یہی ہے کہ علی بابا اور چالیس چوروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا چکا ہے۔

قلت صفحات کی وجہ سے مضمون کو سمیٹتے ہوئے اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کفر والحاد کی دشمنی اسلام کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے دورِ مسعود سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر تا قیامت ہے لیکن من حیث المؤمن اور من حیث الامت محمدی ﷺ ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس پیغمبر نے سفر معراج کے موقع پر اپنی امت کو یاد رکھا اور جس مشفق پیغمبر کے اس دنیا سے پردہ فرماتے وقت بھی لسان مبارک پر آخری الفاظ ''امتی امتی'' تھے، اس پیغمبر اور محبوب خدا ﷺ کی اہانت کرنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دین مبین کی حفاظت کریں۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ چند روزہ زندگی گزار کر کل کو روز محشر اللہ اور اس کے محبوب کے سامنے شرمندہ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت کس منہ سے کہیں گے کہ روز قیامت جان جلا دینے والی تپش کی پیاس کی وجہ سے حساب کے لئے انتظار میں کھڑا ہونا مشکل ہے، مجھے حوض کوثر سے چند گھونٹ عطا فرمایئے کہ پیاس نہیں بجھتی؟ کس منہ سے کہیں گے کہ شدت کی ناقابل برداشت گرمی ہے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ چاہیئے؟ کس منہ سے کہہ سکیں گے جہنم کی تپش برداشت نہیں ہوسکتی، میری شفاعت فرمادیجئے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ختم نبوت اسلام کا اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے اور اس کی حفاظت فرض اولین ہے۔

---

فقط دو عقیدوں پہ قائم ہے دنیا
دوامِ خدا اور بقائے محمد

(مولانا ظفر علی خاں مرحوم)

# حضرت تھانویؒ کی ایک عجیب اور نفیس بحث

(از خطباتِ حکیم الامت جلد ۱۹۔ انتخاب: میجر (ر) عباس صاحب)

(خانقاہ میں صبح کی نماز سے لیکر اشراق تک حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ کی مجلس ہوتی ہے۔ اس مجلس میں بہت ہی دلچسپ اور نادر قسم کی بحثیں آجاتی ہیں جنھیں اہل ذوق کی خاطر شائع کیا جاتا ہے۔ ذیل کی تحریر اسی سلسلے کی کڑی ہے)

## تقدیس کے پردہ میں ریا کاری

لیکن بات یہ ہے کہ اپنا عیب تو عیب نظر نہیں آتا اور دوسروں کی عیب جوئی میں لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ دوسروں کی خیر بھی خیر نظر نہیں آتی۔ اور جو ہم میں مقدس کہلاتے ہیں وہ بھی عجب اور ریا میں مبتلا ہیں اور عجیب پیرایہ میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب طاعون یا کوئی بیماری پھیلتی ہے تو کہتے ہیں کہ میاں طاعون کیوں نہ ہو لوگوں کے اعمال تو دیکھئے کیا ہیں۔ فلاں شراب پیتا ہے، فلاں زنا میں مبتلا ہے۔ اور جو ذرا اور زیادہ محتاط ہیں وہ نام نہیں لیتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ہم لوگ ایسے ایسے اعمال میں مبتلا ہیں لیکن مراد اس سے دوسرے ہی ہوتے ہیں۔ یہ کبھی کسی کو کہتے نہیں سنا ہوگا کہ میرے اعمال خراب ہیں۔ میں نماز میں جی نہیں لگاتا یا فلاں عیب میرے اندر ہے اس کے سبب سے یہ تباہی آرہی ہے۔ جب تعجب ہوتا ہے ہمیشہ دوسروں کے اعمال سے ہوتا ہے۔ غرض ان کے سامنے ہمیشہ دو فہرستیں رہتی ہیں اپنے تو نیک اعمال کی اور دوسروں کی بداعمالیوں کی، اپنے نفس کا تبریہ اور تنزیہ ان کا ہر وقت مشغلہ ہے۔ حالانکہ جو بڑے بڑے اولیاء کرام گزرے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے عیوب پر رہی ہے۔ اور اولیاء تو علیحدہ، انبیاء علیہ السلام بھی باوجود معصوم ہونے کے اپنے نفوس کا تبریہ (پاک ہونے کا اظہار) نہیں فرماتے۔ دیکھئے! یوسف صدیق علیہ السلام کیا فرماتے ہیں۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف:۵۳)

ترجمہ: اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بے شک جی تو سکھلاتا ہے برائی۔

جن کی نزاہت (پاکی) کی خود حق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ (یوسف:۲۴)

ترجمہ: یوں ہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی۔

سُو کہتے ہیں صغیرہ کو اور فحشاء سے مراد کبیرہ ہے۔ بس صاف دلالت ہے کہ یوسف علیہ السلام سے نہ صغیرہ صادر ہوا نہ کبیرہ۔ اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ گناہ کا کیا تھا۔ اور یہ آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا (ترجمہ: اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا) سے استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر کلام ختم ہو گیا اور وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (ترجمہ: اور اس نے فکر کیا عورت کا؟ اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی) علیحدہ کلام ہے۔

حاصل آیت کا یہ ہوا کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ برائی کا کیا اور یوسف علیہ السلام بھی کر لیتے اگر اپنے رب کا برہان نہ دیکھتے۔ اور اسی واسطے مولانا فرماتے تھے کہ وَهَمَّ بِهَا پر، میں وقف نہیں کرتا پس اس سے هَمَّ کی نفی ہوتی ہے نہ کہ اثبات۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ کہ اس میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں کی نفی ہے اور جو لوگ وَهَمَّ بِهَا پر وقف کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ هَمَّ کے مراتب مختلف ہیں زلیخا نے جو هَمَّ کیا وہ ان کے مرتبہ کے موافق تھا اور یوسف علیہ السلام سے جو هَمَّ ہوا وہ ان کے رتبہ کے موافق ہے جو صغیرہ سے بھی بمراتب کم ہے۔ غرض صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہونا سب کا متفق علیہ ہے۔ یوسف علیہ السلام سے کوئی عمل ایسا کہ جس سے گناہ لکھا جائے ظہور میں نہیں آیا۔ جمہور کی تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا کہ وہ گناہ نہیں ہے۔

## وسوسۂ ریا

یہاں سے ایک اور کام کی بات ہاتھ آئی وہ یہ ہے کہ شیخ نے مثلاً کسی کو بتلا دیا کہ ذکر جہر کرو اس نے ذکر جہر شروع کیا۔ اگلے وقت وسوسہ ہوا کہ کسی نے مجھے دیکھ لیا ہے ریا ہو گی۔ شیخ سے جا کر عرض کیا کہ حضرت جی اگر ارشاد ہو تو آہستہ آہستہ کر لیا کروں۔ جہر سے کرنے میں تو ریا ہوتی ہے۔ وہ ریا کسے سمجھا ہے؟ وسوسۂ ریا کو ریا سمجھ گیا۔ اس لئے کہ ریا تو وہ ہے جو قصداً ہو اور ریا کار تو اہتمام کیا کرتا ہے

دکھانے کا۔ ہاں یہ صورت ریا ہے مگر حقیقت میں ریا نہیں۔ یا یوں کہو کہ اصلی ریا نہیں ریا کی جھلک ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جائے تو وہ حقیقت میں تو اوپر بیٹھی ہے لیکن اس کا عکس آئینہ کے اندر بھی ہے۔ پس اسی طرح ریا قلب کے اندر نہیں ہے قلب سے باہر ہے اس کی جھلک اندر پڑتی ہے جس سے یہ جانتا ہے کہ ریا میرے دل کے اندر ہے۔ حالانکہ وہ باہر ہے یہ وہ مضمون ہے جس کو متنبّی نے کہا ہے۔

عذل العواذل حول قلبه التائه

وهوى الا حبة منه في سودئه

یعنی ملامت کرنے والیوں کی ملامت تو میرے قلب کے گرداگرد ہے اور محبت دوستوں کی سوادِ قلب (دل کی گہرائی) میں ہے اس میں ملامت کا اثر نہیں ہے۔ خیر! یہ ایک فائدہ زائدہ تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ایک تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا گناہ نہیں ہوا۔ یوسف علیہ السلام گناہ سے بالکل بری تھے۔

## برأت یوسف علیہ السلام کا عجیب استدلال

ایک بزرگ نے عجیب لطیفہ لکھا ہے کہ اے عزیز! یوسف علیہ السلام کی آلودگی کا وہم بھی مت کر۔ ان کے دامن عصمت کو ذرہ برابر بھی داغ نہیں لگا۔ اور اگر تجھ کو اس کی شہادت چاہئے تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاء۔ اور اگر مخلوق کی شہادت چاہتا ہے تو اس شیر خوار لڑکے کی شہادت کافی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی برأت کی گواہی دی اور اگر اس کی شہادت قبول نہیں کرتا تو خود زلیخا کی شہادت موجود ہے۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ یعنی میں نے یوسف علیہ السلام سے ان کے نفس کی درخواست کی تھی وہ باز رہے۔ اور ان کی شہادت بھی منظور نہیں تو زنانِ مصر کی شہادت موجود ہے کہ انہوں نے کہا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ یعنی ہم نے ان پر کوئی بڑائی معلوم نہیں کی۔ اور اگر ان کی شہادت بھی تیرے نزدیک قابل قبول نہیں تو شیطان کی شہادت موجود ہے۔ اس نے کہا لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِيْنَ۔ یعنی میں ضرور ان سب کو بہکاؤں گا مگر جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ وہ مخلصین میں سے

ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ مگر باوجود اس قدر تقدس اور پاکی کے پھر (حضرت یوسف علیہ السلام) یہ فرماتے ہیں۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ یعنی میں اپنے نفس کی برأۃ کا دعویٰ نہیں کرتا نفس تو برائی کا کثرت سے امر کرتا ہے۔ لیکن تواضع چونکہ بعض مرتبہ ناشکری کی طرف مفضی (لے جاتی) ہوجاتی ہے اس لئے آگے بطور استثنا کے فرماتے ہیں اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ یعنی مگر وہ شخص جس پر میرا رب رحم کرے اور ان کا مرحوم ہونا یقینی ہے۔

# رولزرائس اور نواب آف بہاولپور

(انتخاب: پروفیسر ڈاکٹر محمد طارق صاحب)

ایک بار نواب آف بہاولپور لندن میں عام شہریوں کی طرح مارکیٹ گئے۔ آپ کو اس وقت کی مشہور کمپنی رولزرائس (Rolls-Royce) کے شوروم پر کھڑی گاڑی پسند آ گئی۔ اندر گئے اور سیلز مین سے قیمت معلوم کرنے لگے تو سیلز مین نے انہیں ایک عام ایشیائی شہری سمجھ کر ان کی خاصی بے عزتی کی۔ نواب صاحب واپس ہوٹل آئے اور اگلے روز پورے شاہی ٹھاٹھ کے ساتھ ملازمین کی ایک پوری فوج لے کر اس شوروم پر گئے اور وہاں موجود چھے کی چھے رولزرائس گاڑیاں خرید لیں اور ملازمین کو کہا کہ ان گاڑیوں کو فوراً بہاولپور پہنچا کر میونسپل کمیٹی کے حوالے کرو اور ان سے شہر کا کچرا صاف کرنے اور اٹھانے کا کام لیا جائے۔ واقعی ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ پوری دنیا کے اخبارات میں یہ بات پھیل گئی اور رولزرائس کی مارکیٹ گرنے لگی۔ رولزرائس کا نام سن کر لوگ ہنستے ہوئے کہتے کہ وہی جو ریاست بہاولپور میں شہر کا کچرا اٹھانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں!

کچھ عرصہ بعد رولزرائس کمپنی کے مالک نے خود بہاولپور آ کر نواب صاحب سے معذرت کی اور چھے نئی رولزرائس گاڑیاں بھی بطور تحفہ دیں اور درخواست کی کہ گاڑیوں کو اس گندے کام سے ہٹایا جائے۔ اس درخواست کو نواب صاحب نے منظور کر لیا۔ ان چھے نئی گاڑیوں میں سے ایک گاڑی نواب صاحب نے قائد اعظم کو تحفے میں دی تھی جس کو قائد اعظم کافی عرصہ تک استعمال کرتے رہے۔

(تاریخ بہاولپور سے اقتباس)

# سنہری باتیں

(صلاح الدین ایوبی، جماعت ہشتم، کوہاٹ)

۱۰ مارچ ۲۰۱۷ء کو میرے جماعت ہشتم کے سالانہ امتحانات ختم ہوئے تو میں بالکل فارغ تھا، والد صاحب نے فرمایا کہ ہمارے حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو ان کے بڑے بھائی اس طرح کی چھٹیوں میں کتابوں کے مطالعہ پر لگاتے تھے، آپ کے لیے بھی کوئی ایسی مصروفیت ہونی چاہیے۔ اس سلسلہ میں والد صاحب نے مولانا طفیل صاحب سے رابطہ کیا، انہوں نے کہا کہ اسے روزانہ میرے پاس مدرسہ بھیجیں، یہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ڈاکٹر فدا صاحب دامت برکاتہم کے مضامین اور بیانات کمپیوٹر میں لکھے گا۔ اس سے سلسلہ کی خدمت بھی ہوگی اور بزرگوں کی تحریرات پڑھنے کا فائدہ بھی ہوگا۔ چنانچہ میں مولانا صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے کمپیوٹر پر لکھائی کی ضروری تربیت دی اور مولانا اشرف صاحبؒ کی تحریروں کی ایک فائل سپرد کی جسے میں نے لکھنا شروع کیا۔ الحمدللہ ایک ہفتہ میں میں نے کئی مضامین مطالعہ کر کے لکھ لیے۔ اسی اثنا میں نے مولانا طفیل صاحب کے پاس ایک ڈائری دیکھی جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے ملفوظات لکھے ہوئے تھے، مولانا صاحب سے میں نے پڑھنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دیتے ہوئے بتایا کہ یہ ملفوظات انہوں نے ۲۰۱۱ء میں اپنے پہلے اعتکاف میں حضرت کے بیانات اور مجالس کے دوران لکھے تھے۔ بندہ کو ان ملفوظات سے بہت فائدہ ہوا، پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کو کمپیوٹر پر لکھتا بھی رہا، اب یہ افادۂ عام کے لیے غزالی میں شائع کرنے بھیج رہا ہوں۔ امید ہے قارئین کو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ ملفوظات تاریخ وار درج کیے جا رہے ہیں:

## شہوت کا علاج

(۲۰ رمضان المبارک بعد از تراویح رات ۱۱:۳۰ بجے)

ارشاد فرمایا: اگر نکاح کرنے کی وسعت نہ ہو اور جذبۂ شہوت ستاتا ہو تو نفس پر قابو پانے کے لئے روزہ رکھے، ہر ماہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو، اگر پھر بھی شہوت پر قابو نہ ہو تو ہر ہفتے، پیر اور جمعرات کو روزہ رکھے اور

اگر شہوت اتنی سخت ہے کہ اس سے بھی قابو نہ ہو تو ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن افطار کرے۔ ان تین طریقوں سے شہوت ضرور بضرور قابو میں آجاتی ہے اور انسان بدکاری سے بچ جاتا ہے، بشرطیکہ انسان اپنی اصلاح کی فکر رکھے اور اخلاص سے یہ کوشش کرے۔

## بے ادب بے نصیب

(۲۱ رمضان المبارک..دن ۱۱ بجے)

ارشاد فرمایا: جس چیز کا اجر و ثواب اور درجہ بڑا ہوتا ہے، اس کی حق تلفی کا وبال بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے، لیکن اگر آداب کا خیال نہ رکھا جائے اور معمولی بے ادبی وخطا سرزد ہوگئی تو اعتکاف جاتا رہے گا اور وبال بھی ہوگا۔ جیسے ایک شخص سو روپے کی کوئی چیز خرید کر بیچتا ہے تو زیادہ سے زیادہ ۵۰، ۶۰ روپے کمائے گا اور اگر نقصان کر گیا تو سو روپے کا نقصان ہوگا! لیکن اگر کوئی دس لاکھ کا سرمایہ لگا کر کاروبار کر رہا ہے پھر وہ یک لخت ڈوب جائے تو اس کا تو اس کا تو بیڑہ غرق ہوگیا!

## اعتکاف کا ثواب

ارشاد فرمایا: کہ حدیث مبارک میں اعتکاف کی بڑی فضیلت وارد ہے، دس دن سنت اعتکاف کرنے والے کو دو مقبول حج اور دو مقبول عمروں کا ثواب ملتا ہے اور جو ایک دن ورات کا اعتکاف کرلے تو وہ جہنم سے تین خندق دور کر دیا جاتا ہے اور ایک خندق کا فاصلہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلے جتنا ہے۔

## مسجد کی زمین

ارشاد فرمایا: مسجد کی زمین انسانی بدن کی طرح ہے، جس طرح زندہ بدن کو ہر ایذا سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اس کا خیال رکھا جاتا ہے، اس طرح مسجد کی زمین کا بھی خیال رکھنا ہے کہ نہ تو اس پر گرم چیز رکھی جائے نہ ہی اچھل کود ہو نہ دوڑا جائے اور نہ ہی زور زور سے بستر وغیرہ پھینکے جائیں۔

## دو چیزوں کا مزہ

ارشاد فرمایا: فقر اور میدان جہاد میں جو مزہ ہے وہ کہیں اور نہیں، بوقت شہادت جو تجلی نظر آتی ہے وہ جنت میں بھی نہیں۔ کیونکہ جب جنت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سب جنتیوں سے پوچھے گا کہ کوئی ارمان باقی ہے

تو اس پر شہید اٹھ کر کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ مجھے پھر دنیا میں بھیجا جائے تا کہ میں اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں گویا وہ لطف اس کو جنت میں بھی یاد آرہا ہوگا۔

## زہد کی تعریف

ارشاد فرمایا: زہد یہ ہے کہ دل سے مال کی لالچ بالکلیہ ختم ہو جائے۔

## فنا و بقاء

ارشاد فرمایا: نفس کی جملہ خواہشات ورذائل پر قابو پانا فنا ہے اور رذائل کو فضائل میں ڈھالنا بقاء ہے۔

## تارکِ جماعت کا ایمان غیر معتبر

ارشاد فرمایا: تارکِ جماعت (جماعت کی نماز چھوڑنے والے) کے ساتھ کوئی اسلامی معاملہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا ایمان غیر معتبر ہے، اس لئے کہ ایمان قلبی چیز ہے اور اس کی علامت نماز ہے، گھر پر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو لیکن اس کا کوئی گواہ نہ ہو تو پھر ایمان کی عملی علامت نماز اس میں پائی نہیں جاتی۔

## نشہ کا بیان

ارشاد فرمایا: نشہ انسان میں بے غیرتی پیدا کرتا ہے اور نشہ آور آدمی بے غیرت ہوتا ہے، ایک مالدار عورت میرے پاس روتے چلاتے، بال نوچتے آئی کہ میرا خاوند شرابی ہے جب رات کو وہ گھر آتا ہے تو اس میں اور بیل میں فرق نہیں ہوتا، میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ اس میں تیرے والدین کا قصور ہے کہ رشتہ دیتے وقت مالداری وحسن کو تو دیکھا لیکن دینداری نہ دیکھی اب میں کیا کر سکتا ہوں؟

## نشہ چھوڑنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا: نشہ چھوڑنے کے لئے ہمت و غیرت چاہئے، ایک دفعہ ہم تبلیغی جماعت میں گئے تو ایک بوڑھا شخص آکر تعلیم میں بیٹھ گیا اور کہا کہ مجھے آپ لوگوں سے، آپ کے کام سے اور تعلیم سے بڑی محبت ہے۔ میں افیوں کا عادی تھا، ایک دفعہ تبلیغی جماعت آئی اور تعلیم کے دوران کہا کہ مسواک کے ستّر فائدے ہیں، جن میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ کہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے اور افیون کے ستّر نقصانات ہیں جن میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا، یہ سن کر میں نے افیون

چھوڑنے کا پکا عزم کرلیا۔ چھوڑنے پر خون کے دست شروع ہوگئے، لیکن میں اپنے ارادے پر مضبوط رہا کہ اگر مرتا ہوں تو مرجاؤں پر دوبارہ افیون نہیں کھاؤں گا۔ یوں اللہ نے چھڑوادی۔ تو بھئی! نشہ چھوڑنے کے لئے ہمت اور غیرت کرنی پڑتی ہے۔

## زندیق کی تعریف

ارشاد فرمایا: جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے لیکن ضروریات دین کی ایسی تشریح کرتا ہے جو نبی پاک ﷺ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی تعلیمات وارشادات کے مطابق نہیں ہوتی، جیسے قادیانی، پرویزی وغیرہ تو وہ زندیق ہے۔ زندیق عام کافروں یعنی ہندو، یہودی، عیسائی سے بدترین کافر ہوتا ہے، بلکہ اس کا حکم مرتد سے بھی سخت ہے، عام کافر کے ساتھ انسانی ہمدردی کی جاسکتی ہے، زندیق کے ساتھ یہ بھی ناجائز ہے۔

## کلمات کفر وکلمات طلاق سے بچیں

**کلماتِ کفر:** فرمایا آج کل گفتگو میں اتنی بے احتیاطی ہے کہ کلماتِ کفر زبان سے ادا کردیتے ہیں اور پروا تک نہیں ہوتی، حالانکہ اس سے ایمان سلب ہوجاتا ہے اگر شادی شدہ ہے تو نکاح ٹوٹ جائے گا، تجدید نکاح کرنی پڑے گی، میں ہر سال ۵، ۶ لوگوں کی تجدید نکاح کرواتا ہوں، لوگ آتے ہیں تو میں مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں، کئی لوگوں کے ایمان سلب ہوچکے ہوتے ہیں۔ اسی حال میں ازدواجی تعلق بھی قائم کئے ہوتے ہیں جو حرام ہوتا ہے، یہی وجہ ہے معاشرے میں لڑائی جھگڑوں، گھریلوں فسادات اور بے چینیوں کی۔

**کلماتِ طلاق:** فرمایا کلمات طلاق کا بھی یہی حال ہے، غصے میں آکر ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیتے ہے، پٹھان کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا ہوتا ہی نہیں، جب تک وہ تین طلاقوں اور فائر سے اسے ٹھنڈا نہ کرے، فرمایا: ایک مجلس میں یہ مسئلہ بیان کیا تو ایک آدمی اٹھ کر زاروقطار رونا شروع ہوگیا... کہ میں تو کئی مرتبہ اس طرح بیوی کو طلاق دے چکا ہوں۔ وہ مسئلہ تک سے بے خبر تھا۔ اور تعلق بھی قائم رکھے ہوئے تھا۔ فرمایا: ایک عورت شوہر کے پاس جانے سے انکاری تھی۔ اس نے بتایا کہ میں کیسے جاؤں جب کہ یہ مجھے پچاس بار طلاق دے چکا ہے۔ ﴿اناللہ وانا الیہ راجعون﴾

(جاری ہے)

# سعودیہ کی کارگزاری

(ڈاکٹر یاسر نسیم صاحب، بالاکوٹ)

فروری ۲۰۱۱ء میں مجھے سعودی عرب کے محکمہ صحت میں بطور ڈاکٹر ملازمت ملی۔ حضرت صاحب کے مشورہ سے سعودیہ پہنچ گیا۔ سعودیہ کے مشرقی علاقے الصفٰی میں مجھے تعینات کیا گیا۔ جیسا کہ سلسلہ میں بیعت حضرات کو اردگرد کے حالات تفصیلاً لکھنے ہوتے ہیں اور شیخ صاحب کے حکم کے مطابق چلنا ہوتا ہے، میں نے بھی ایسے ہی کیا۔

ہسپتال کے احاطہ میں موجود مسجد کا کوئی مستقل امام نہیں تھا۔ کوئی ڈاڑھی منڈا بھی آتا تو امام بن جاتا، لوگ وضو میں بھی بے احتیاط تھے، اکثر پاؤں بالکل نہ دھوتے اور جوتوں کے اوپر مسح کر لیتے۔ مصری ان پڑھ جیم کو گاف کے لفظ سے ادا کرتے تھے۔ ایک دن نماز کے دوران ایک بندے نے اِذَجَاء کی جگہ اِذَگَاء پڑھا۔ جب میں نماز کیلئے امام بنتا تو مقتدی طرح طرح کی باتیں کرتے اور تنگ کرتے رہتے۔ پھر میں کبھی ہسپتال سے دور محلّہ کی مسجد میں نماز کیلئے جاتا۔ سب حالات میں نے اپنے حضرت شیخ صاحب کو خط کے ذریعے ارسال کئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ آپ کو جب تک جبراً امامت سے نہ ہٹائیں، آپ ہی امامت کروایا کریں۔ اس کے بعد میں باقاعدگی سے امامت کرنے لگ گیا۔ عربوں نے کہا کہ تم عرب نہیں ہو، کسی عرب کو امامت کرنے دیا کرو۔ کوئی کیا کہتا رہا اور کوئی کیا۔ میں نے کسی کی نہ سنی۔ سب عربوں نے تنگ آ کر ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم تشکیل دی، جس میں اکثر عربی حافظ قرآن ڈاکٹر بھی تھے، مجھے بھی بٹھایا گیا اور کہا کہ آپ سورۃ الفاتحہ پڑھیں۔ میں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر سنائی تو ایک سائیکاٹری (Psychiatry) کے ڈاکٹر صاحب جو کہ کمیٹی کے سربراہ بھی تھے، نے فوراً جواب دیا کہ اس میں تو کوئی غلطی نہیں ہے۔ دوسرے ڈاکٹروں نے کہا کہ نہیں جی، یہاں غلطی ہے، یہاں غلطی ہے۔ پھر مجھ سے سائیکاٹری والے ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ سورۃ فاتحہ سنی اور ان لوگوں کی تسلّی کیلئے کچھ تصحیح کردی اور کہنے لگے، اب بالکل ٹھیک ہے۔

اس کے بعد رمضان کا مہینہ آگیا۔ جب میری ڈیوٹی نہیں ہوتی تھی تو میں پوری بیس تراویح پڑھاتا تھا۔ مقتدیوں نے اعتراض کیا کہ تراویح تو آٹھ ہی ہوتی ہیں، آپ بیس تراویح کیوں پڑھاتے ہیں۔ حضرت صاحب سے بار بار بیانات میں یہ بات سنی تھی کہ اہلحدیث نے بہت کوشش کی کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آٹھ تراویح رائج کریں اور یہ لوگ بار بار اس مقصد میں ناکام ہوئے، اس لئے میں نے فوراً کہا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تو بیس تراویح ہوتی ہیں تو کیا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والے بھی بدعت کررہے ہیں؟ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دو تین لوگ میرے پیچھے آخر تک کھڑے رہتے، باقی آٹھ رکعت کے بعد چلے جاتے۔ کچھ لوگ تراویح کے دوران اپنی فرض نماز کی بھی میری تراویح کے ساتھ نیت کرلیتے اور دو تراویح بعد کھڑے ہوکر پورے چار فرض پڑھتے۔ میں ان سے کہہ دیتا، کہ ہماری تراویح کی نماز تھی، وہ کہتے مَافِي مُشْكِلاً (یعنی کوئی بات نہیں)۔

اسی طرح ایک دن تین وتر پڑھ رہے تھے، کہ ایک ڈاڑھی منڈا کھڑا ہوا کہ یہ کہیں شیعہ تو نہیں ہے کہ تین وتر پڑھ رہا ہے۔ اس نے بہت تنگ کیا، بالآخر مجھے شہر کے بڑے شیخ اور قاضی کے پاس لے گئے۔ میں نے قاضی سے کہا کہ میں سنی ہوں اور فقہ حنفی کے مطابق ہم تین وتر پڑھتے ہیں اور غصہ میں کہا کہ یا تو ہمیں کوئی سرکاری امام دو جو ظاہراً باشرع ہو اور اگر ظاہراً باشرع نہ ہو تو پھر میں ہی امامت کراؤں گا، میں سرکاری ملازم ہوں اور ہسپتال کے اندر رہتا ہوں، ہسپتال کے مدیر کو میں نے خط کے ذریعے مطلع کیا ہوا ہے کہ ہماری مسجد میں مستقل امام نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہو تو ہسپتال کے مدیر کے ذریعے بذریعہ تحریر قانونی چارہ جوئی کریں۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد لوگوں کے اعتراضات کم ہوگئے۔

ادھر ہسپتال کے ساتھ والے محلے کی مسجد میں بھی کبھی کبھار جانا ہوتا تو ادھر کے مؤذن کے ساتھ بھی تعلقات بن چکے تھے۔ وہ ایک دن بہت دکھیا تھا اور مجھے کہہ رہا تھا کہ میری اولاد نہیں ہوتی، میرے لئے دعا کیا کرو اور بتاؤ کہ میں کیا کروں کہ اولاد ہوجائے۔ میں نے اسے کہا کہ ہمارے پاکستان میں ایک شیخ صاحب ہیں، ان کے پاس ایک نقش ہے جس کو روزانہ پڑھنے سے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ یہ نقش میں آپ کو دے رہا ہوں، آپ اسے روزانہ پڑھا کریں گھر میں دیوار کے ساتھ

لگائیں اور سرہانے کے نیچے رکھیں۔اس وقت تو مؤذن نے میری بات سن لی، پر وہ نقش اپنے کسی بڑے مفتی کے پاس لے گیا۔ مجھے پتہ چلا تو دعائیں مانگتا رہا۔ کچھ دنوں بعد مؤذن نے خود ہی بتایا کہ فلاں شیخ صاحب نے کہا ہے کہ یہ نقش ٹھیک ہے،اس میں کوئی بدعت نہیں، اور اس کو پڑھنے لگ گیا۔ جب میں آرہا تھا تو اس کی بیوی حاملہ ہوگئی تھی۔

جیسا کہ سلسلہ میں بیعت ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ برائی بندہ دیکھے تو چپ نہیں رہنا ہوتا۔ ہسپتال میں ہڈی کا ایک انڈین ڈاکٹر مجوسی تھا، وہ کسی کو مرغی کھاتے دیکھتا تو منع کرتا کہ یہ مرغیاں دوسری جہاں میں آپ کو کھائیں گی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ سیدھے سادے لوگوں کا عقیدہ خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ایک دن ایمرجنسی میں کافی مریض آئے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ جمع تھے۔اس ڈاکٹر نے پھر کوئی بات شروع کی ہوئی تھی۔ میں نے سب کے سامنے کہا: ھٰذا کافر (یہ ڈاکٹر کافر ہے)۔ غیر مسلموں سے متأثر ایک سعودی مرد نرس (Male Nurse) نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی، کہ اس کو کافر نہ کہو اس کو Non-Muslim کہو۔ وہ ڈاکٹر تو وہاں سے نکل گیا، میں نے سب کو کہا کہ آئندہ کسی نے بھی مذہب اسلام کے خلاف کوئی بات کی تو میں اس کے منہ پر تھپڑ بھی مار سکتا ہوں۔ اس کے بعد سارے ہسپتال والوں نے مجھے القاعدہ اور طالبان کے نام سے مشہور کر دیا۔ جب داعش والے آگئے تو سب مجھے داعش کہنے لگے۔ایک مرتبہ سارے لوگ جمع تھے، ایک سعودی نے مجھے کہا کہ داعش بھی آگیا ہے، میں نے اسے کہا: ”انا ابو داعش“ یعنی میں داعش نہیں بلکہ داعش کا بھی باپ ہوں۔

اسی طرح سلسلے میں حضرت شیخ کی یہ بھی ہدایات ہیں کہ اپنے ادارے کے سربراہ اور افسر کی جائز بات مان کر چلنا ہوتا ہے۔ ہمارے ہسپتال کے سرجری کے سربراہ نے شروع میں مجھے بہت تنگ کیا۔ پانچ چھ ماہ بعد وہ سمجھ گیا اور مجھے کہنے لگا کہ میں نے سوچا کہ تم بھی اخوان المسلمین کی طرح ہمیں تنگ کرو گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مزید کہنے لگا کہ افغانستان اور قبائلی علاقوں کے طالبان جنھوں نے اسلامی حکومت قائم کی تھی اگر اس طرح کے لوگ تھے جیسا کہ آپ ہیں پھر تو یہ لوگ بہت اچھے تھے۔ میں نے اس کو اپنے سلسلے کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ جب اس کا کوئی خاص مریض ہوتا، تو مجھے کہتا کہ اس کا خیال رکھنا۔ جب بھی فارغ وقت ہوتا طالبان کا موضوع چھیڑ دیتا تو میں اس کو حضرت شیخ صاحب اور

سلسلہ کے اکابرین کے قصّے جو مجھے ٹوٹے پھوٹے یاد ہوتے، سنا دیتا۔ میرے ساتھ بہت تعاون کرتا اور ہسپتال کے مدیر سے بھی میری بات منواتا۔ میرا قیام وہاں ۴ سال اور ۵ ماہ رہا، پھر میری تبدیلی مدینہ منورہ کے ایک ہسپتال میں ہوگئی۔ سب لوگوں نے آخر میں مجھے بہت ٹیلی فون کئے اور بہت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

ادھر مدینہ منورہ کے ہسپتال میں شلوار قمیض میں جانے لگا تو ہسپتال والوں نے اعتراض کیا۔ حضرت شیخ صاحب کے مشورے سے ڈھیلی ڈھالی پینٹ اور اس کے اوپر سفید کوٹ پہننا شروع کیا۔ ہمارے ساتھ ایک انڈین میل نرس بھی تھا اس کی بھی ڈاڑھی تھی اور چار مہینے بھی لگے ہوئے تھے۔ اچھا خاصا امیر صاحب تھا، جب تھوڑی سی ہسپتال والوں کی طرف سے سختی ہوئی تو اس نے ڈاڑھی چھوٹی کر دی۔ اس وقت میں نے حضرت شیخ صاحب کو بہت دعائیں دی اور دل میں سوچا کہ تیرا بھی یہی حشر ہونے والا تھا۔ اور یہ شعر دماغ میں گھومتا رہا۔

کاشتی تخم محبت در دل من کاشتی
آخرش دادی مُرا چیزے کہ تو خود داشتی

ترجمہ: کاشت کرلیا محبت کا بیج تو نے میرے دل میں کاشت کرلیا۔ آخرکار وہ چیز مجھے دے دی جو خود تیرے پاس تھی۔

کیا کاشت پودا محبت کا دل میں
مجھے دی وہ شے جو کہ تھی تیرے دل میں

ایک دن ہسپتال میں ایک ڈاکٹر مجھے کہنے لگا کہ ڈاڑھی سے اکثر مریض ڈر جاتے ہیں۔ لیکن خدا کی شان کہ ڈاڑھی میں مجھے لوگ دیکھتے ہی دوسرے ڈاکٹروں کو کہہ دیتے کہ ہم اس ڈاڑھی والے ڈاکٹر صاحب سے (یعنی مجھ سے) چیک اپ کروائیں گے۔ ایک مریض کو اپینڈکس کا درد تھا وہ مجھ پر ہی زور دے رہا تھا کہ میں ان ہی سے آپریشن کرواؤں گا۔ عورتیں خاص طور پر ڈاڑھی منڈوں سے چیک اپ کروانے سے کتراتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ میں ان کا معائنہ کروں۔

واقعات تو بہت سے ہیں سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ باہر کے ملک میں حضرت صاحب

سے دورہ کر یہ تجربہ ہوا کہ انٹرنیٹ سے اگر سارے بیانات محفوظ کر کے گاڑی میں، گھر میں بار بار سنے جائیں اور حرف بہ حرف یاد کرنے کی کوشش کی جائے، دل و دماغ میں ساری باتیں بٹھائی جائیں اور خط کے جواب کو تو لازمی ذہن نشین کر کے بار بار پڑھا جائے، اور بار بار اس کی نیت کرنی کہ ان باتوں پر میں نے لازمی عمل کرنا ہے جس طرح ہمارے حضرت شیخ صاحب حکم فرماتے رہتے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل کریں بظاہر کیوں نہ ہمیں مشکل سے مشکل حالات پیش آ رہے ہوں، کیسی ہی مصیبت کیوں نہ اٹھانی پڑ رہی ہو، کامیابی حضرت شیخ صاحب کے حکم پورا کرنے میں ہی ہوگی۔ مجھ پر جب برے حالات آتے اور لوگ برا بھلا کہتے تو حضرت صاحب کے یہ اشعار اکثر میرے دماغ میں گھومتے رہتے۔

تو خاک میں مل تو آگ میں جل جب اینٹ بنے تب کام چلے
ان کچی پکی بنیادوں پر تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

دنیا میں تو دو ہی ٹھکانے ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تخت جگہ آزادی کی یا تختہ جگہے آزادی

اللہ تعالیٰ مجھے حضرت شیخ صاحب کے ارشادات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

---

# ایک مریض کا واقعہ

(ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید مروت صاحب، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

بنوں سے ایک پچیس سالہ نوجوان کو میرے پاس لایا گیا۔ اسے یرقان کی شکایت تھی۔ معائنہ کرنے پر اس کی بائیں پسلی کے نیچے پیٹ کے اندر ایک گولا محسوس ہوا۔ مریض کو سی ٹی سکین تجویز کیا اور سی ٹی سکین کی رپورٹ سے پتہ چلا کہ اس کے معدے میں کینسر ہے۔ مریض اور اس کے لواحقین سے جب اس کے مرض کے بارے میں تفصیلی معلومات (Detailed History) لی گئیں تو اس میں قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ یہ نوجوان روزانہ کی بنیاد پر ڈیڑھ لیٹر والی پیپسی کی بوتل ایک ہی وقت میں پی جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی خاص بات سامنے نہیں آئی۔ اس کم عمری میں معدے کا کینسر شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، یہ بڑی عمر کے لوگوں کی بیماری ہے۔ بالآخر اسی معدے کے کینسر کی وجہ سے مریض وفات پا گیا۔

# ایک دانا کی انٹرنیٹ سے متعلق بیٹے کو نصیحت

(انتخاب: پروفیسر ڈاکٹر محمد طارق صاحب)

پیارے بیٹے!

گوگل، فیس بک، ٹوئیٹر، واٹس ایپ اور باہمی رابطوں کے دیگر تمام ذرائع درحقیقت ایک گہرا سمندر ہیں جس میں لوگ اپنے اخلاق کو کھو رہے ہیں اور دماغی صلاحیتیں کھپا رہے ہیں۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ اس سمندر کی بے رحم موجیں نہ صرف ایک خلق کثیر کو ہلاک کر چکی ہیں بلکہ ہماری عورتوں کی حیا بھی نگل چکی ہیں۔ اس میں انہماک سے بچو۔ انٹرنیٹ پر تمہارا رویہ شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہیے، صرف عمدہ باتوں پر توجہ مرکوز کرو، خود بھی استفادہ کرو اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ عام مکھی کی طرح ہر گندی اور صاف چیز پر مت بیٹھو، مبادا دوسروں تک بیماری کے جراثیم منتقل کرنے لگو اور تمہیں اس کا احساس ہی نہ ہو۔

پیارے بیٹے!

انٹرنیٹ ایک بڑی مارکیٹ ہے، یہاں کوئی بھی اپنی چیز مفت لے کر نہیں بیٹھا، ہر شخص اپنا سودا کسی نہ کسی عوض پر دینے کا خواہشمند ہے۔ کوئی اپنی چیز کا سودا اخلاق کی قیمت پر کرنا چاہتا ہے تو کسی کو فکری انتشار کی تجارت پسند ہے۔ بعض کا مقصد شہرت اور حبِ جاہ ہے اور ایسے بھی ہیں جو اپنے تئیں خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس لئے خریداری سے پہلے سامان کی خوب جانچ پڑتال کرو۔

پیارے بیٹے!

تعلقات قائم کرنے میں بھی احتیاط سے کام لو، بعض تعلقات شکاری کے جال کی مانند ہیں، بعض برائی کا سرچشمہ ہیں، کچھ بے حیائی اور فسق و فجور پر مبنی ہیں اور کچھ کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔

پیارے بیٹے!

نشر و اشاعت میں بھی محتاط رہو، جن باتوں سے شریعت نے منع کیا ہے انھیں کاپی پیسٹ

کرنے (دوسروں کو بتانے) سے گریز کرو۔ یہ نیکیوں اور گناہوں کی تجارت ہے۔تم کیا سودا بیچ رہے ہو اس پر تمہاری نظر رہنی چاہیئے۔

پیارے بیٹے!

کسی تحریر پر کمنٹ یا اسے شیئر کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ یہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے یا ناراضگی کا۔

پیارے برخوردار!

ایسے شخص کی دوستی پر بھروسہ مت کرو جسے تم نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، لوگوں کی تحریروں سے انہیں سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ یہ دوست کے بھیس میں اجنبی ہیں۔ان کی تصویروں میں ڈبنگ (جعلسازی) ہے، ان کا اخلاق و کردار مخفی ہے، ان کی گفتگو میں ملمع سازی ہے، ان کے چہروں پر ماسک (خول) ہیں، یہ جھوٹ بھی ایسے بولتے ہیں کہ سچائی کا گمان ہوتا ہے۔

بہت سے عقلمند دکھائی دینے والے درحقیقت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔

کتنے خوبصورت ایسے ہیں جو حقیقت میں بدصورت ترین ہیں۔

بہت سے سخی نظر آنے والے ایسے ہیں جن کا شمار کنجوس ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔

بے شمار ایسے ہیں جو شجاعت کے وصف سے شہرت رکھتے ہیں مگر پرلے درجے کے بزدل ہیں۔سوائے ان کے جن پر خداوند کریم کی رحمت ہو۔

برخوردار!

تمہارا شمار بھی انہی میں ہونا چاہیئے۔

پیارے بیٹے!

فرضی نام (Fake IDs) رکھنے والوں سے بھی دور رہو۔ایسے لوگ اعتماد سے عاری ہوتے ہیں، سو اس شخص پر کیونکر اعتماد کیا جائے جسے خود پر ہی اعتماد نہ ہو، اور تم بھی فرضی نام اختیار مت کرنا، کیونکہ اللہ ہمارے ہر راز سے واقف ہے۔

میرے عزیز بیٹے!

جو تیرے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کرے اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ مت برتو، تمہارا رویہ تمہاری شخصیت کا عکاس ہے اور اُس کا کردار اپنی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ سو تم اپنے اخلاق کی نمائندگی کرو، اس کے اخلاق کی نہیں۔ ظاہر ہے برتن سے وہی کچھ چھلکے گا جو اس کے اندر ہے۔

پیارے بیٹے!

انٹرنیٹ کے بحرِ ظلمات میں جس چیز کا مجھے سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ نظر کا غلط استعمال ہے یعنی ایسی تصویریں اور ویڈیو کلپس دیکھنا جن میں فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی ہو۔ اگر تم اپنے نفس کو ان محرمات سے دور رکھ سکے تو انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سے بھرپور استفادہ کرنا اور اس سے دین کی نشر و اشاعت کا کام لینا، لیکن اگر خدانخواستہ تمہارا نفس ان محرمات کے شکنجے میں پھنسا ہوا ہے تو انٹرنیٹ کی دنیا سے ایسے دور بھاگنا جیسے انسان وحشی درندے سے بھاگتا ہے ورنہ روزِ محشر تیرا سامنا خدا سے ہوگا اور دوزخ تیرا ٹھکانہ بنے گی۔

پیارے بیٹے!

انٹرنیٹ غفلت اور شہوت کا ایک بڑا باعث ہے اور انہی دو چیزوں کے ذریعے شیطان نفس پر حاوی ہوتا ہے۔ دھیان رہے کہ انٹرنیٹ تمہارے فائدے کے لئے ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ، یہ غفلت کے لئے نہیں کہ اسی کے ہو کر رہ جاؤ۔ اس سے تعمیرِ شخصیت کا کام لو، تخریب کا نہیں نیز قیامت کے دن اسے اپنے حق میں گواہ بناؤ نہ کہ اپنے خلاف۔

---

گواہی دیں گے روزِ حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن میرے اعضا سمجھتے ہیں
جو ہیں اہلِ بصیرت اس تماشہ گاہِ ہستی میں
طلسمی زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

(اکبر الٰہ آبادی)

# حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے اشعار

(ترجمہ: مولوی محمد بلال صاحب اورکزئی)

ایک شخص امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس آئے اور کہا: میں نے ایک گھر خریدا ہے اور میری خواہش ہے کہ اس گھر کی خریداری کے عقد (معاہدہ) کو آپ اپنے ہاتھ سے لکھ دیں۔ حضرت علیؓ نے ان کی طرف حکمت کی نگاہ سے دیکھا تو اس کی دنیا کو اس کے دل کے عرش پر پایا۔

حضرت علیؓ نے حمد و ثناء کے بعد لکھا: (یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے انتہائی خوبصورت اشعار ہیں جن کا ترجمہ لکھا گیا ہے)

اما بعد: غافلوں کی گلی میں اور گناہگاروں کے شہر میں ایک میت مردے نے دوسرے میت مردے سے گھر خریدا ہے، جس کی چار حدود ہیں:

پہلی حد: جس کی انتہا موت ہے۔ دوسری حد: جس کی انتہا قبر ہے۔

تیسری حد: جس کی انتہا حساب کا دن ہے۔ چوتھی حد: جس کی انتہا جنت یا جہنم ہے۔

(حضرت علیؓ کے اس کلام کا مقصد مخاطب کے دل پر موجود پردے کو چاک کرنا تھا)

اس پر اس آدمی کو ندامت ہوئی، رویا اور عرض کیا کہ: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کو گواہ رکھئے کہ میں نے اس گھر کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ اس پر باب العلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے یہ قصیدہ سنایا:

أَلنَّفْسُ تَبْكِيْ عَلٰى الدُّنْيَا وَقَدْ عَلِمَتْ ۔۔۔ اِنَّ السَّعَادَةَ فِيْهَا تَرْكُ مَا فِيْهَا

ترجمہ: نفس دنیا کے لئے روتا ہے اس حال میں کہ وہ جانتا ہے کہ سعادت تو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بے رغبتی میں ہے۔

لَا دَارَ لِلْمَرْءِ بَعْدَ الْمَوْتِ يَسْكُنُهَا ۔۔۔ اِلَّا الَّتِيْ كَانَ قَبْلَ الْمَوْتِ بَانِيْهَا

ترجمہ: انسان کا موت کے بعد ٹھکانہ وہ ہے جو اس نے موت سے پہلے بنالیا۔

فَأِنْ بَنَاهَا بِخَيْرٍ طَابَ مَسْكَنُهُ وَاِنْ بَنَاهَا بِشَرٍّ خَابَ بَانِيُهَا

ترجمہ: پس اگر خیر کے ذریعے بنایا اپنے گھر کو تو اچھی رہائش گاہ ہے اور اگر بنایا گھر کو شر سے تو پشیمان ہو گا بنانے والا۔

أَمْوَالُنَا لِذَوِيْ الْمِيْرَاثِ نَجْمَعُهَا وَدُوْرُنَا لِخَرَابِ الدَّهْرِ نَبْنِيُهَا

ترجمہ: ہم مال کو اپنے اہل میراث کے لئے جمع کرتے ہیں اور گھر کو ہم گزران زماں کے ذریعے خراب ہونے کے لئے بناتے ہیں۔

لَا تَرْكُنَنْ اِلٰى الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا فَالْمَوْتُ لَا شَكَّ يُفْنِيْنَا وَ يُفْنِيُهَا

ترجمہ: دنیا اور مافیہا کی طرف نہ جھکو پس موت بیشک ہمیں اور دنیا کی سب چیزوں کو فنا کردینے والی ہے۔

لِكُلِّ نَفْسٍ وَاِنْ كَانَتْ عَلٰى وَجَلٍ مِنَ الْمَنِيَّةِ آمَالٌ تَقْوِّيُهَا

ترجمہ: اگرچہ ہر نفس کو موت کا ڈر ہے مگر دنیا کی امیدیں اسے مگن کئے ہوئے ہیں۔

اَلْمَرْءُ يَبْسُطُهَا وَالدَّهْرُ يَقْبِضُهَا وَالنَّفْسُ تَنْشُرُهَا وَالْمَوْتُ يَطْوِيُهَا

ترجمہ: انسان دنیا کو پھیلاتا ہے زمانہ دنیا کو سمیٹتا ہے۔ نفس دنیا کو پھیلاتا ہے جبکہ موت دنیا کو سمیٹتی ہے۔

وَالنَّفْسُ تَعْلَمُ اِنِّيْ لَا أُصَادِقُهَا وَلَسْتُ أَرْشُدُ اِلَّا حِيْنَ أُعْصِيُهَا

ترجمہ: نفس جانتا ہے کہ میں اس کی تصدیق نہیں کرتا لیکن گناہ کے وقت اسی (نفس) کی مان کر چلتا ہوں۔

وَأَعْمَلُ لِدَارِ رِضْوَانٍ خَازِنُهَا وَالْجَارُ أَحْمَدَ وَالرَّحْمٰنُ نَاشِيُهَا

ترجمہ: میں تو عمل کروں ایسے گھر کے لئے جس کا دربان رضوان ہے اور پڑوسی احمد ﷺ اور بنانے والا رحمان ہے

قُصُوْرُهَا ذَهَبٌ وَالْمِسْكُ طِيْنَتُهَا وَالزَّعْفَرَانُ حَشِيْشٌ نَابَتٌ فِيْهَا

ترجمہ: محل اس کے سونے کے، اور مٹی اس کی مشک ہے، گھاس اس کی زعفران، جو وہاں اگتی ہے۔

اَنْهَارُهَا لَبَنٌ مَحْضٌ وَمِنْ عَسَلٍ وَالْخَمْرُ يَجْرِيْ رَحِيْقًا فِيْ مَجَارِيُهَا

ترجمہ: نہریں اس کی دودھ اور شہد کی اور صاف شراب کی جو کہ بہتی ہیں۔

مَنْ يَّشْتَرِي الدَّارَ فِيْ الْفِرْدَوْسِ يَعْمُرُهَا بِرَكْعَةٍ فِيْ ظَلَامِ اللَّيْلِ يُحْيِيُهَا

ترجمہ: کون ہے جو فردوس کے گھر کو لے اور تعمیر کرے تاریک رات کی رکعت سے جسے وہ گزارتا ہے۔

# سلسلے کی پشاور سے باہر سرگرمیاں

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

پشاور سے باہر کے اسفار کے سلسلے میں ایک سفر لاہور غربی (چھوٹا لاہور، صوابی) کا ہوا۔ لاہور غربی میں بندہ کے خلیفہ جناب مولانا محمد امین دوست صاحب کا مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے ہے۔ سال میں ایک مرتبہ مدرسے کی حاضری ہوا کرتی ہے۔ بدھ کے دن مدرسے میں حاضری ہوئی۔ مدرسے کے طلباء نے تبلیغی گشت کیا ہوا تھا اور مغرب کے بعد بیان تھا۔ بیان میں بندہ نے انفرادی وخفیہ دعوت، اجتماعی اور علی الاعلان دعوت، اس کے ردعمل میں کفار کا داعیانِ اسلام کو قتال پر مجبور کرنا، اس سلسلے میں دفاعی قتال اور آخر میں عسکری دعوت کے موضوعات بیان کیئے۔ طلباء نے بہت انہماک کے ساتھ بیان سنا اور سننے کے آداب کا اتنا لحاظ رکھا کہ بندہ کا دل خوش ہوگیا۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھانے والے امام صاحب نے بہت خوبصورت تجوید کے ساتھ قرآن مجید پڑھا۔ مغرب میں قصارِ مفصل اور عشاء میں اوساطِ مفصل سورتوں کی مستحب قرأت پڑھی جس سے دل باغ باغ ہوگیا۔ دورانِ امامت اس مستحب کی پابندی تو تقریباً متروک ہو چکی ہے۔

دوسرا سفر کرڑھی شیخان، کوہاٹ کا ہوا۔ کرڑھی شیخان کے سادات سلسلے میں بیعت ہیں۔ بندہ کے داماد ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب کے ماموں سید جمیل شاہ صاحب نے اپنی ذاتی جائیداد میں ایک بہت بڑی مسجد اور مدرسہ بنایا ہے۔ ہر سال تیئس مارچ کی چھٹی کے دن اس مدرسے میں سلسلے کا ماہوار اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔ اسی اجتماع میں مدرسے کے طلباء کی دستار بندی بھی کی جاتی ہے۔ اجتماع بائیس تاریخ کی مغرب سے شروع ہو کر تیئس تاریخ دن بارہ بجے تک جاری رہا۔ بائیس کو مغرب تا عشاء بیان حضرت ڈاکٹر قیصر علی صاحب (پروفیسر سوّل انجینئر نگ) کا ہوا۔ فجر کے بعد بیان حضرت علامہ طفیل صاحب کا ہوا۔ بیان کے بعد جہری ذکر اور ختم کی مجلس بندہ نے مکمل کی۔ دس بجے دستار بندی کی ترتیب شروع ہوئی۔ مدرسے کے صدر مُدرس صاحب نے سالانہ تعلیمی رپورٹ پیش کی۔ اس کے بعد بندہ کا بیان ہوا اور دستار بندی ہوئی۔ قاری عبدالقیوم صاحب، پروفیسر ندیم صاحب اور فضل الرحمان آفریدی صاحب

نے اپنی تلاوتوں، حمدیہ ونعتیہ کلام، کلامِ اقبال اور میاں محمد بخش کے عارفانہ کلام سے مجمع کو دم بخود کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر اعجاز خٹک صاحب پرنسپل خیبر میڈیکل کالج کی دعوت پر ۱۸ مارچ بروز ہفتہ خیبر میڈیکل کالج میں حاضری ہوئی۔ یہ حاضری پرنسپل صاحب کی کتاب ''لَا نَبِیَّ بَعْدِی'' جو کہ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے، کے سلسلے میں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ ہمارے سلسلے کا بہت دیرینہ تعلق ہے۔ پھر نعت جیسا موضوع جو انتہائی مقبول عبادت ہے، مزید برآں عنوان ''لَا نَبِیَّ بَعْدِی'' جو آپ کی شانِ ختم نبوت کا عنوان ہے۔ آپ ﷺ کی شانوں میں سب سے اعلیٰ وارفع وبرتر شان، شانِ ختم نبوت ہی ہے۔ اس لئے یہ حاضری بندہ کے لئے بہت ہی پرکشش تھی۔

بندہ نے اپنے بیان کے پہلے وہلہ میں اہلِ سنت والجماعت کے فقہ کے چاروں اماموں کے مؤقف کے مطابق حضور اقدس ﷺ کی ارفع شان کا بیان کیا۔ اس کے بعد نعت کی مقبولیت کے واقعات سنائے۔ خاص طور سے اپنے علاقے کے ایک بزرگ ڈاکٹر قاضی محبّ الرحمان صاحب مرحوم کا واقعہ سنایا۔ قاضی صاحب ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے اور ۱۹۵۶ء میں حج ڈیوٹی پر گئے تھے۔ انھوں نے یہ واقعہ خود مجھے سنایا۔ فرمانے لگے کہ پاکستانی حاجی علاج کے لئے میرے پاس آتے تھے، ایک دن بہت دلچسپ حاجی صاحب آگئے، رش کم تھا اس لئے تشخیص اور نسخے کے بعد میں نے ان سے باہمی دلچسپی کی باتیں شروع کردیں۔ مریض نے کہا ڈاکٹر صاحب میرا نام بہزاد لکھنوی ہے، میں نعت لکھتا بھی ہوں اور پڑھتا بھی ہوں۔ سندھ کے ایک وڈیرے کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے اس سے فرمایا: ''بہزاد کو حج پر بھیجو۔'' یہ وڈیرہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے پاس پہنچا اور مجھے خواب کا قصہ سنایا، میں نے اس سے کہا: ''میں تو بیمار آدمی ہوں، بیوی بغیر حج پر نہیں جاسکتا۔'' اس پر اس وڈیرے نے کہا: ''یار بیوی کو بھی تیار کرو، دونوں کو حج پر بھیجیں گے۔'' پھر کہنے لگے: ''قاضی جی! ہم یوں حج پر آئے۔'' اس واقعے سے بہت ہی لطف اور سرور محسوس ہوا، بندہ کے دل پر سخت کیفیت طاری ہوئی اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آیا جسے بندہ نے اپنی بساط، ہمت وکوشش کے ساتھ خوب ترنم سے پڑھا۔

وہ ذاتِ مقدس خود جویائے محبت ہے ۔۔۔ پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ

# دانشِ مشرق

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ مولانا روم کی تصنیف ''دیوان شاہ شمس تبریز'' کا ترجمہ انگریزی میں پروفیسر نکلسن نے کیا ہوا ہے۔اسی طرح سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ دوسرے انگریز دانشوروں نے Wisdom of the East کے نام سے کیا ہوا ہے۔اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ہم اپنے اس قیمتی سرمائے کو اردو شاعری کے ترجمے کی شکل میں پیش نہیں کر سکے۔قاضی طلال صاحب ایڈووکیٹ (ایل ایل ایم) کبھی کبھی یہ اشعار بھیج دیتے ہیں۔ان بزرگون کی کرامت ہے کہ برجستہ ترجمہ ہو جاتا ہے۔اس طرح کے ترجمہ شدہ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

گرگی و سگی کم کن

تا مہر شباں بینی (مولانا روم)

Cease to behave as wolves and dogs that you may

experience the shephered's love. (Prof. Nicolson)

درندگی کو اگر چھوڑ دو تو پھر دیکھو

کہ بھیڑیئے بھی محبت کریں گے پھر تم سے (حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ)

---

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

گرچہ با آدمی بزرگ شود (گلستانِ سعدی)

At length the wolf-cub will become a wolf. Even

though it grow up amongst men. (Prof. Brown)

اگرچہ آدمی کے پاس رہ کر وہ پھلا پھولا

مگر وہ بھیڑیا ہے بات یہ ہرگز نہیں بھولا (حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ)

# خطاب بنفس

''خطاب بنفس'' کے عنوان سے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعے ''کریما'' سے چند اشعار کا انتخاب۔
منظوم اردو ترجمہ از حضرت ڈاکٹر صاحب، انگریزی ترجمہ از Wisdom of the East Series۔

چہل سال عمر عزیزت گزشت
مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت

Forty years of thy precious existance have expired;

Yet thy life not passed beyond childhood.

گئے گزر چالیس برس عمر کے ترے
بچپن کے حال سے ذرہ آگے نہ بڑھ سکے

---

ھمہ با ھوا و ھوس ساختی
دمے بامصالح نہ برداختی

Thou hast spent all in lust and licence;

Not a moment hast thou acted according to righteous.

مزوں اور خواہش کے پیچھے چلا
تو اِک لمحہ نہ حق کے پیچھے چلا

---

مکن تکیہ بر عمر نا پائیدار
مباش ایمن از بازیٔ روزگار

Rely not upon unstable life;

Be not confident that thou art safe from the sport of fortune.

بھروسہ نہ کر عارضی زندگی پر
نہیں امن میں زندگی کے غموں سے

## شیخ سعدیؒ کے مجموعے کریما سے چند نعتیہ اشعار

زبـان در دھان تا بوَد جایگیر

ثـنـائے مـحـمـد بوَد دل پزیر

So long as the tongue is fixed in the mouth;

May the praise of Muhammad ﷺ be a source of delight.

زباں جب تلک منہ میں ہے جا گزیں

ہے کرتی ثنائے نبی دل نشیں

---

حبیــب خـدا اشـرف انبیـاء

که عرش مجیدش بوَد متکا

The beloved of God, the most exalted of Prophets;

Whose pillow is the glorious firmament.

حبیبِ خدا انبیاء کے بڑے

ہیں عرشِ معلٰی کے تکیہ نشیں

---

سـوار جھاں گیر یك راں براق

که بگزشت از قصر نیلی رواق

The earth-conquering horseman with his chestnut Buraq;

Which passed beyond the palace of the cerulean portico!

جہاں سارے پر چھانے والا سوار

بھورے براق کی پیٹھ کا شاہ نشیں

جا وہ پہنچا سرِ عرش وہ دیکھ لو

دور پیچھے رہے آسمان اور زمیں